عَاشُورا اور خواتین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

عاشورا اور خواتین

واقعہ کربلا میں خواتین کا کردار

تالیف

ڈاکٹر علی قائمی

ترجمہ

مولانا سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضل اعلی اللہ مقامہ

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

نام کتاب ——— عاشورا اور خواتین
تالیف ——— ڈاکٹر علی قائمی
ترجمہ ——— مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل
کتابت ——— سید جعفر صادق
ناشر ——— دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
طبع اول ——— محرم ۱۴۰۸ھ - ستمبر ۱۹۸۷ء
طبع دوم ——— ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ - مئی ۱۹۹۳ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا

اکْتَسَبْنَ ط

وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ط

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝

اور اللہ نے جو تم میں ایک کو
دوسرے پر برتری عطا کی ہے اس کی
ہوس نہ کرو۔
مردوں کو ان کے کیے کا حصہ ہے اور
عورتوں کو ان کے کیے کا حصہ ہے۔
اور اللہ سے اس کے فضل و کرم کی
دعا کرو۔
بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

فہرست

دُوسرا حِصّہ:

تیسرا حِصّہ:

چوتھا حصّہ:

پانچواں حصّہ

ساتواں حصہ:

کربلا سے کوفے تک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب ابھی طباعت کے آخری مراحل طے کر رہی تھی کہ اچانک ایک ایسی خبر ملی کہ جس نے دلوں کو غمگین اور آنکھوں کو اشکبار کر دیا۔
کتاب کے مترجم اور مقدمہ نگار علامہ حاج سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ مولانائے محترم علالت کا کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اس دارِ فانی کو خیرباد کہہ گئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ"

دار الثقافۃ الاسلامیہ کے لیے مرحوم کی جو خصوصی الطاف و عنایات تھیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ یہ کتاب کہ جو اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے، ڈاکٹر علی قائمی کی کتاب "نقشِ زنان در تاریخ عاشورا" کا اردو ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ مرحوم مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ہی کا مرہونِ منت ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ یہاں عرض ناشر کے طور پر

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ خواتین مردوں کے

شانہ بہ شانہ بلکہ قتال (جہاد) کی

صفوں میں ان سے بھی آگے کھڑی نظر

آتی ہیں۔ انھوں نے اپنے بچّوں اور

نوجوانوں کو کھو دینے کے باوجود

مقاومت جاری رکھی۔"

(امام خمینی)

تعزیت کے مندرجہ ذیل سطور ہدیۂ قارئین کرتے ہوئے ان سے ایک سورۂ فاتحہ کے لیے ملتمس ہوں۔

ملّت اسلامیہ کی دیوار میں ایک علمی شگاف

اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ علمار دین ملّتِ اسلامیہ کے محافظ و نگہبان ہوتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ھشام بن حکم کی زبان کو تیغِ برّاں سے تعبیر فرمایا۔ جس طرح اسلام کے ایمان و عقیدہ سے سرشار سپاہی مسلح بغاوت کے خلاف ملک و وطن کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح ہر قسم کے الحادی اور زندیقی مداخلت کے خلاف، علمار اسلام ہی اپنے زبان و قلم سے دفاع کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

عالم کی موت سے اسلام کی دیوار میں ایک شگاف پڑجاتا ہے۔

یقیناً علامہ حاج سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضل کہ جو ایک متقی عالم، فقیہ، مایۂ ناز محقّق و ادیب، مقرر و مدرس، سینکڑوں کتابوں کے مؤلف و مصنف، اعلیٰ سندوں کے حامل اور بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے کی رحلت ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی دیوار میں ایک ایسا شگاف ہے کہ جس کو پُر ہونے کے لیے خدا جانے کتنا عرصہ درکار ہو۔

مرحوم جہاں عوامی سطح پر اپنے قلم و زبان سے فکرِ اسلامی کی ترویج فرماتے رہے وہاں دینی اور اسلامی تنظیموں کی بھی ہمیشہ حمایت اور سرپرستی فرماتے رہے۔

ان تنظیموں کی خدمات کے علاوہ دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان، کراچی

کے لیے مرحوم کی خصوصی توجہ، سرپرستی اور تعاون کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دار الثقافۃ الاسلامیہ ان کی رحلت کے اس عظیم سانحہ کو اپنے اور ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ تصور کرتا ہے اور تمام دینی اور اسلامی تنظیموں کو بالخصوص اور ملت اسلامیہ کو بالعموم تسلیت و تعزیت پیش کرتا ہے۔

دار الثقافۃ الاسلامیہ اس دورِ مصیبت میں خداوند رؤف و مہربان سے امامِ امت حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی، قائم مقامِ رہبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ منتظری اور قائد ملت جعفریہ پاکستان حجۃ الاسلام والمسلمین سید عارف حسین الحسینی کی طولِ عمر اور دوام سایہ کا خواستگار ہے۔ اور خداوند متعال سے مرحوم و مغفور علامہ حاج سید مرتضیٰ حسین قبلہ صدر الافاضل کے لیے جوار ائمہ اطہار علیہم السلام کا متمنیّ و طلبگار ہے۔

ناشر

"عورت ـــــ

اپنی صحیح تربیت سے ـــــ

انسان کو سنوارتی ہے ـــــ

وہ اپنی صحیح تربیت سے ـــــ

ملک کو آباد کرتی ہے ـــــ

تمام نیکیوں کا سرچشمہ عورت کی آغوش ہے۔"

(امام خمینی)

پیش لفظ

میرے سامنے اس وقت بڑی فکر انگیز کتاب " عاشورا اور خواتین " موجود ہے جو " نقش زنان در تاریخ عاشورا " کا اردو ترجمہ ہے۔

چودہ سو سال سے انسان تاریخ عاشورا کو اپنے تمامتر فکری گیرائی محبت و عقیدت کے ساتھ لکھ رہا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بہت کچھ سمجھنے اور کہنے کو باقی ہے۔ ہر دور کے لحاظ سے اس واقعہ کی معنویت کے نئے نئے پہلو ابھرتے چلے آتے ہیں۔

کربلا انسانی فکر و شعور کی تربیت گاہ ہے۔ ظلم و استحصال کے خلاف، حقوقِ انسانی کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف، جہالتوں ، شقاوتوں اور درندگی کے خلاف ایک مستقل احتجاج ہے۔ کربلا عدالت انسانی کی آواز اور عدل و انصاف ، محبت و امن ، حقوقِ انسانی کے احترام ، مساوات و اخوت اور انسانی آزادی کا درس ہے۔ اس لیے ہر دور کے مظلوم انسان نے کربلا والوں کی طرف رہنمائی کے لیے دیکھا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے پہلے حصہ میں فاضل مترجم نے اس صنعتی و مشینی عہد اور اس سے پیدا ہونے والے اخلاقی اور ذہنی بحران کا تجزیہ کیا ہے۔ پھر ایک جدید عہد کے انسان کے نقطۂ نظر سے واقعۂ کربلا کی مقصدیت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے یقیناً درسِ کربلا کی آج کے دور کے انسان کو بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ عہدِ جدید کی خوف اور بھوک اور لایعنیت کی زندگی میں واقعۂ کربلا، زندگی کی معنویت اور مقصدیت کا سمبل ہے۔

دوسرا نکتہ جس پر اس کتاب میں بحث کی گئی وہ یہ ہے کہ اسلام نے سماجی زندگی میں عورت کو کیا ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ عورت کو تاریخ اس دوراہے پر لے آئی تھی جہاں اس کے ایک طرف ماضی کی غلامانہ زندگی تو دوسری طرف وہ نام نہاد آزادی جہاں اسے گھر کے قید خانے سے نکال کر جنسِ تجارت اور سامانِ نمائش بنا دیا گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں اگر کوئی عظمتوں اور وقار کا راستہ ہے تو وہ جو اسلام نے عورت کو دکھایا اور اسے قبر کی تاریکیوں سے نکال کر تاریخ ساز قوت بنا دیا۔

کتاب کا اصل موضوع یہ ہے کہ انقلابِ حسینیؑ میں خواتین کے کردار کی وضاحت کی جائے۔ واقعۂ کربلا جو انسان کی قوتوں اور عظمتوں کا سب سے بڑا امتحان تھا اس میں خواتین کی موجودگی اس بات کی ضمانت ہے کہ عورت انسانیت کے بلند ترین مرتبوں تک جا سکتی ہے بشرطیکہ اس میں خود آگاہی پیدا ہو اور یہ خود آگاہی اسے اسلام عطا کرتا ہے۔

امام عالی مقامؑ کے عقیدتمند۔ بی بی زینبؑ اور دیگر خواتینِ اہلِ حرم کے بے پناہ دلیری اور بے مثال قربانی کے واقعات تو برابر سنتے رہتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دیگر خواتین کے واقعات سے بہت کم آگاہی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ان خواتین کو بھی

متعارف کرایا گیا ہے جو عوام کے طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

ہم شہزادیوں کے ذکر پر تو اکثر یہ سوچ لیتے ہیں کہ نبی زادیاں تھیں اسی لیے اتنے غیر معمولی کارنامے انجام دے گئیں اور یہ سوچ کر پھر ہم اپنے احساسِ ذمہ داری کو تھپک تھپک کر سلا دیتے ہیں۔

لیکن ان خواتین کا ذکر جن کا خاندانِ نبوت سے تعلق نہیں یقیناً اس کتاب کو پڑھنے والی بہنوں کے ذہن میں ایک خلش اور دل میں ایک چبھن پیدا کر دے گا۔ یہ خواتین جو ہم جیسی تھیں، ہم ہی میں سے تھیں —— ہماری طرح پرسکون گھروں کی رہنے والیاں —— پیارے پیارے بچوں کی مائیں —— شفیق شوہروں کی بیویاں۔ ساری قیود توڑ کر کتنی بلندیوں پر پہنچ گئیں۔

خدا مصنف اور مترجم دونوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے۔

شائستہ زیدی

دین و مقصدِ دین پر بچیوں کو پالو ——

اور حضرت زینبؑ کی طرح ——
راہِ خدا میں جہاد کی تربیت دو ——
بچی کو یوں پردے میں رکھو —— کہ ہوش سنبھالنے
کے بعد اُسے ——
بے پردہ صورتوں سے خوف و نفرت ہو جائے —— !

سب عورتوں کی پیشوا حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا ہے :
" حجاب عورتوں کا سب سے اچھا زیور ہے ۔"

اگر عورت، مرد کے برابر ہے ——
تو ——
اس بچی کو ایسا دین و اخلاق ، سُوجھ بُوجھ ، ——
علم و ہُنر سکھاؤ ——
کہ ——
واقعتاً وہ مردوں کے لیے باعث رشک بنے ۔

پہلا حصّہ

عورت کی عظمت

ماں اور مربّی۔ کردار ساز

پورا کرۂ ارض سمٹ کر ایک شہر اور شہر ایک گھر کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ حمل و نقل ــــ آمد و رفت ــــ رسل و رسائل ــــ خبر اور اطلاعات نے سب کو سب سے قریب کر دیا۔ افریقہ میں طوفان آئے تو ایشیا میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ ایشیا میں ایٹم بم کا دھماکہ ہو تو یورپ میں ہنگامہ ہو جاتا ہے۔

فرصت طلب اور بہانہ جو ڈاکو ان حادثات سے فائدہ اٹھاتے اور اپنی برتری جتانے کے لیے کمزور، کم علم، کم سرمایہ اور کم آبادی والوں کو اپنا ممنونِ احسان ــــ شکر گزار ــــ دوست پھر غلام بنا لیتے ہیں۔ آزادی ــــ ان کا نعرہ، حقوق انسانی ــــ ان کا منشور ــــ، غریب عوام ــــ ان کا راج ــــ اور ــــ مساوات ان کا ورد و وظیفہ ہے۔

گھر کی اہمیت:

کبھی آپ نے سوچا ہے؟

جس گھر میں آنکھ کھولی ـــــ جن گودیوں میں آپ پلی بڑھیں۔ جن ماؤں نے دکھ جھیلے، جن باپوں نے پاپڑ بیلے ـــــ، آپ ان کے سائے میں آسودگی، خوشی اور مسکراتی زندگی کی رنگینیاں محسوس کرتی ہیں ـــــ یا نہیں ـــــ؟

عجیب عجیب معاشرے

جی ہاں!

دنیا میں ایسے معاشرے بھی ہیں ـــــ

جہاں ـــــ،

بچے اسپتال میں پیدا ہوتے ہیں ـــــ

نرسری میں تعلیم پاتے ہیں ـــــ

ہوسٹلوں میں رہتے ہیں ـــــ

پارکوں یا کلبوں میں نکاح کرتے ہیں ـــــ اور ہوٹلوں میں مرجاتے ہیں ـــــ!

انھوں نے نہ باپ کو پہچانا نہ ماں کی صورت دیکھی، نہ بہن بھائی سے روابط کا تصور ان کے ذہن میں آیا۔ ضبط تولید کی دوائیں کھانے والے، نس بندی کرانے والے، بچوں کو شیشی کا دودھ پلانے والے، اولاد کو گود میں نہ لینے والے گھرانے بھی ہیں۔

یقین کیجیے ـــــ،

ان معاشروں، ان گھروں اور اگر خاندان کہا جاسکے تو ان خاندانوں میں ذہنی امراض۔ اعصابی تکلیفیں، نفسیاتی بیماریاں اتنی ہیں، جن سے

وہاں کے طرح طرح کے اسپتال بھرے ہوئے ہیں اور حکومتیں عاجز ہیں اور یہ لوگ خود بھی ـــــ ہپّی ـــــ نشہ باز ـــــ دنیا فراموش ـــــ بن کر جوانی میں بن باس ہو جاتے ہیں ـــــ اور ـــــ بڑھاپے میں، معذور افراد کی دیکھ بھال کرنے والے خیرات خانوں میں زندگی کے دن کاٹتے ہیں

کیا آپ اجازت دیں گی ـــــ؟

اگر تہذیب نامی کوئی چیز ہے،

اگر انسان تمدّن کا فرد ہے ـــــــ

اگر آدمیت احترامِ آدمی کا نام ہے ـــــــ،

تو ـــــ

ہر عقل مند، ان کو جانور، بلکہ اُن سے بدتر کہے،

کُتیا، کتّے، آوارہ کتّے ـــــــ

جیسے کاٹ لیں دیوانہ ہو جائے ـــــــ وہ جدھر سے گزر جائیں بدبُو پھیل جائے ـــــــ

متمدن دنیا کے ننگے جنگلی ـــــــ ترقی یافتہ شہروں کے کثیف انسان ـــــــ

آئے دن ان کی داستانیں چھپتیں، ان کی پیدائش، ان کی شادی، ان کے رومانس، ان کے مقابلۂ حُسن، ان کی طلاق، ان کی دوسری شادی اور ـــــ بین الاقوامی اداروں کی رپورٹوں اور متعدد محکموں کے گوشواروں کے ذریعے دنیا میں پڑھے جاتے ہیں۔ پھر آپ جانتی ہیں کہ ان کی موت کیسے ہوتی ہے ـــــ؟

یہ معاشرے دو طرح کے ہیں۔

سرمایہ داری ——————،

اشتراکیت ——————،

دونوں میں ایٹم بموں کے گٹھے انسانوں کی پیٹھ پر ہیں ——— جیسے جنگل کے لکڑ ہارے۔

دونوں کو نشہ پلا کے مارا جا رہا ہے ——————

اور ———

دونوں کو عظیم قوم، عظیم قوت کا دلفریب ترانہ گانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

ایک معاشرے میں انسانیت گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی ہے اور دوسرے معاشرے میں آدمیت کے گلے میں پھانسی کا پھندا ہے۔

ایک چیختے چیختے پاگل ہو گیا ہے ——————

دوسرا دار پر لٹکے لٹکے مر گیا ہے ——————

مشرق و مغرب کے گھروں کا جائزہ تو لیجیے۔ جرائم کی الگ رپورٹیں تو پڑھیے، پولیس اور ڈاکٹروں کے مہیا کردہ اعداد و شمار، انبار در انبار ہیں۔

معیارِ تعلیم پست ——————تعلیم عام ہے۔

پچاس فیصد ذہنی بیمار ——————

مگر صنعت و سائنس میں آگے ہیں ——————،

خدا کے لیے اس ڈگر پر چلیں کہ معیارِ تعلیم بھی بلند ہو، ذہنی تندرستی بھی عام ہو۔ قومیں آزاد رہیں اور صنعت و سائنس میں بھی بڑے بن سکیں۔

صاف و شفاف پانی پئیں ——— عمدہ اور اچھا سودا کریں۔

یہ کیا ہوا کہ:

وہ سائنس میں آگے ہیں ——— اور ——— برہنہ ہیں۔

ہم بھی ننگے ہوئے جاتے ہیں۔

غور نہیں کیا ———؟

—— وہ سائنس کے لیے ہزاروں جتن کرتے ہیں۔

—— اپنے ذہین ترین افراد تلاش کرتے ہیں

—— دوسری قوموں کے ذہین ترین افراد کو غلام بناتے ہیں،

—— انھیں کمروں میں بند کرتے ہیں

—— ان سے دس دس گھنٹے، پندرہ پندرہ گھنٹے کام لیتے ہیں،

ذرا ان کے گھروں میں جھانک کر تو دیکھیے۔

وہ غریب نہ سینما دیکھ سکتے ہیں، نہ رقص کا وقت نکال سکتے ہیں، نہ کلبوں میں راتیں بسر کرنے کی مہلت رکھتے ہیں ——— وہ مشین بننے کے بعد مشین بناتے ہیں۔ دس دس سال بیس بیس سال ایک ذرّہ کو دیکھتے اور ایک جرثومے کو پالتے ہیں تب جا کر ایک زہریلا جوہر اور ایک طاقتور دھماکہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

تمام قوموں کی دولت ان کی جیب میں، بے شمار قوموں کی افرادی قوت ان کے زیر فرمان ہے۔

آپ اپنے خرچ میں کفایت شعاری برتیں، آپ ان کی عیاشی سے دور رہیں، آپ اپنی نسل بڑھائیں۔ آپ اپنی اولاد سے افرادی قوت حاصل کریں کوّا، آخر ہنس کی چال کیوں چلے؟

آپ اس بھیڑ بھاڑ میں گم نہ ہوں ——— آپ اس میلے میں نہ جائیں نہ منزل سے دور ہوں گی، نہ گرہ کٹے گی۔

یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے لوگ مداری ہیں۔ وقت بھی ضائع کراتے ہیں اور پیسے بھی وصول کرتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنا کام نکالنا ہے۔

شراب ان کی پئیں دوسرے ـــــــ

فلم ان کی خریدیں دوسرے ـــــــ

پیانو ان کا بجائیں آپ ، چونکہ مزا آتا ہے اس لیے گھر لٹا دیتے ہیں ـــــــ ،

گھر پھونک تماشا دیکھنے والے۔ اپنے بچوں اپنی بچیوں بلکہ اپنے وجود، اپنی قوم اور اپنی تاریخ کے صفحۂ ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

علامہ اقبال نے ان گھرانوں، ان معاشروں کے دانا و بینا مرد و زن سے کہا ہے : ؎

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش

ـــــــ ـــــــ

ایک مثالی گھر ـــــ مثالی معاشرہ

اس ناچتے بھڑکتے ، گرتے پڑتے ، گولیاں چلاتے ، زندگیاں لوٹتے، غلام بناتے ، گلے دباتے ، جانوروں کی طرح منہ زوریاں کرتے معاشروں کے مقابلے میں، ایک معاشرہ ، ایک نظام ، ایک فلسفہ ، ایک عمل دنیا اور بھی ہے۔

تربیت ، اخلاق ، عقیدے اور توحید پر مبنی معاشرہ ،

قرآن اور اسوۂ رسولؐ کے محور پر بڑھتے ہوئے دائرے کی شکل میں چاروں سمتوں ـــــ اور ـــــ شش جہات میں پھیلنے والا انتظام۔ جس کے تمام خطوط ایک مرکز سے گزرتے ہیں۔ جس سے ایک کامیاب زندگی ، روشن تاریخ اور تابندہ قوم جنم لیتی ہے۔

ایسی مخدراتِ عصمت سے سبق لیں ـــــ

جن کی نقیب فاطمہؑ ـــــ

اور ـــــ

جن کی قائد زینبؑ ہیں ـــــ

ہمیں ایک ایسا گھر ، ایک ایسا خاندان ، ایک ایسا معاشرہ ، ایک ایسی قوم بنانا ہے جو نئے سے نئے انکشافات سے دنیا کو فیض یاب کرے ، مگر یادِ آخرت کے ساتھ۔

جو الگ الگ افراد ہوں تو رنگا رنگ پھول ،

جمع ہو جائیں تو گلستاں ، ـــــ ،

پھیل جائیں تو بہار ـــــ ،

ایسے افراد جو اخلاق ، علم ، عمل ، تقویٰ ، محنت اور ذہانت کا بہترین نمونہ ہوں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے والے ، اپنے پروں سے اڑنے والے ، اپنے اُفق پر چمکنے والے ، نہ مشرقی نہ مغربی ـــــ

محمدیؐ ، علوی ، فاطمی ، زینبی ، جعفری ـــــ !

یاد رکھیے !

آپ کے دبستانِ ہدایت نے ہر قسم کے علم کو فروغ دینے کی سعی

کی اور آپ سے اس راہ میں محنت کرنے کی خواہش کی ہے ۔

ہم نہ سنیں ـــــ آپ بات نہ مانیں

تو ـــــ

گناہ ہمارا ہے ـــــ ،

گمراہی اور ہدایت کے راستے دکھا دیے گئے ـــــ

کتاب آچکی ـــــ

پڑھانے والے بنیادی سبق دے کر ـــــ

مثالی عمل دکھا کر ـــــ دوسرے عالم چھوڑ کر حجت

تمام کر چکے ـــــ

آئیے !

سوچیے اور کچھ کیجیے ـــــ تو پہلے اپنا گھر ـــــ

اسلام نے گھر کو بہت اہمیت دی ہے ۔ برکت اور ہدایت کا گھر ہی اصل گھر ہے ۔

گھر ایسا ہو کہ جب کوئی آئے تو محبت کی خوشبو پائے ، انس و ہمدردی کی فضا محسوس کرے ۔ مسکراتے چہرے ـــــ شرمیلی آنکھیں ـــــ باحیا سراپا ـــــ باعفت دامن ـــــ بااخلاق سلوک ـــــ بھاری بھر کم میل جول ـــــ باعقیدہ بات چیت ـــــ باسلیقہ اٹھنا بیٹھنا ہو ـــــ جو آئے وہ کچھ سیکھ کر جائے ـــــ جو نہ آتا ہو وہ بتا کر جائے ۔

ایسے گھر کی تعمیر ، آرکیٹکٹ نہیں ـــــ

ماں باپ کرتے ہیں ـــــ

بشرطیکہ ——————

وہ ذہنی طور پر پرسکون آشنا اور نفسیاتی طور پر متقی و خدا شناس و عاشقِ رسولؐ و آلِ رسولؑ ہوں۔

مثالی گھر۔ دنیا بھر کے گھروں میں عمدہ گھر وہ ہے جس کی شمع فروزاں اور صبحِ خنداں —— پاکیزہ نفس ماں ہو۔ گھر سے مراد ماں اور باپ، پھر ان کے سائے میں ہنسنے بسنے والے بچے ہیں۔ ساری دنیا میں گھر کے یہی معنی ہیں۔

ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا ہے:

بہت رنگ بدلے سپہرِ بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شوہریں میں نے
وہ خَلوت نشیں ہے، یہ خَلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدمؑ
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

زن و شوہر کی خلوتوں سے جلوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہونہار بچے، اور خوبصورت پھول ——————

تاریخ ساز اولاد ——————

خطبۂ نکاح میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ایک آیت اور دو

حدیثیں پڑھی جاتی ہیں پھر نکاح کے دو بول ادا ہوتے ہیں :

○ —— " اور بے شوہر عورتوں اور اپنے صالح غلاموں اور کنیزوں کے بھی نکاح کر دیا کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انھیں مال دار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی وسعتوں اور بڑے علم والا ہے ۔"

(سورۂ نور۔ آیت ۳۲)

○ —— " نکاح میری سنّت ہے جو میری سنت سے روگردان ہوا وہ مجھ سے نہیں ۔"

○ —— " نکاح کرو، نسل بڑھاؤ۔ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے (اپنی کثرتِ امت) پر فخر کروں گا۔ خواہ ساقط شدہ فرد کیوں نہ ہو ۔"

——— . ———

مرد نیک، سمجھ دار اور صالح ہو —— عورت باعفّت اور مومنہ ہو —— مقصد صالح اولاد پیدا کرنا ہو —— روزی میں وسعت خدا دینے والا ہے اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھاری اولاد کو سرمایۂ افتخار بنا سکیں ۔

ہوس رانی اور عیش و عشرت جب نکاح جیسے پاک عمل میں ملحوظ نہیں تو پھر کہاں اس کا جواز رہ جاتا ہے ۔ جب قابلِ فخر اولاد مقصود و مدعا ہو تو ——

ماں باپ کے فرائض بڑھ جائیں گے ۔

——— . ———

تربیت

اللہ کی پسندیدہ اور محبتِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی اولاد کی تربیت عبادت ہوگی۔

اب باپ کی چشم نمائی اور ماں کی ادب آموزی، ننھی سی جان میں روحِ پاک بیدار کرے گی۔

بچہ بولا تو ـــــــ

"اللہ، اللہ"

زبان چلی ـــــــ تو ـــ اللہ ایک پنجتن پاک ـــ

اور بڑا ہوا ـــــــ

تو ـــــ

کلمہ ـــــ اصول دین ـــــ فروع دین ـــــ

مجلس ہوئی تو ـــــ

انیسؔ و دبیرؔ کی رباعیاں،

روانی آئی ـــــ تو ـــــ اساتذہ ادب کے

سلام اور مرثیے ـــــــ،

قوتِ گویائی بڑھی ـــــ تو ـــــ سیرت پاکؐ پر تقریر

فضائل علیؑ پر بیان اور کربلا پر اظہار خیالات کی راہیں دکھائی جانے لگیں۔

یہ سب بنیادی طور پر ـــــــ

ماں، پھر باپ ـــــــ

اور بڑے بھائی بہن کے کام ہیں۔

بچّے اور بچیوں کی صلاح و فلاح ، ان کی اخلاقی اور فکری تربیت،
سینٹ جوزف اور کنڈر گارٹن ـــــــــــ
میں نہیں ہو سکتی ـــــــ

وہ عیسائی چرچوں کے ادارے ہیں ، وہ مذہبی اوقاف سے چلنے والی درس گاہیں ہیں ـــــ وہاں کے تربیتی اصول ، آوارہ ذہن یا اسلام سے مختلف آداب سے آشنا کرنے کی مہم پر مبنی ہوتے ہیں۔

اس عمر میں بچّے کو اپنے سائے میں رکھیے ۔ یہ کچّی کونپل جدھر موڑیے مڑ جائے گی ۔ اسے گھر سے باہر غیروں کے ساتھ رہنے کی عادت نہ ڈالیے۔ جب اس کی حس بیدار ہو گی تو " اماں کے پاس وقت نہ ہونے " کی وجہ سے وہ باہر ہی گھومے گا ؛

پارک ، بس اسٹاپ ...... ؛

لڑکیوں کی تربیت

لڑکیاں اس سلسلے میں زیادہ توجہ طلب ہوتی ہیں ۔ آپ کو بُرا لگے گا مگر رہنمائے بشریت امام جعفر صادقؑ جیسے علم پرور امام نے فرمایا ہے ۔

" ان لڑکیوں کو حبِّ امیر المومنینؑ میں پختہ کرو
اور اپنی مفروضہ " نادانی " پر رہنے دو "

(الوسائل ج ۱۴ ص ۱۳۷)

علیؑ کی محبت کے معنی ہیں ،

حضرت امیرؑ کی ذات و تعلیمات سے آشنا کرو ـــــــ
سیدہ عالمیہ کا بچپنا فراموش نہ کرو ـــــــ

اس کم سِن بی بی ؑ نے اپنی دولت مند ماں کی گود میں پلنے ـــــ
اور ـــــ
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسے عظیم باپ کی محبت میں
بڑھنے کے باوجود، دین کی راہ میں کس قدر استقلال، ہمت اور مجاہدت
سے کام لیا۔
دین و مقصدِ دین پر بچیوں کو پالو، اور حضرت زینب ؑ کی طرح راہ خدا
میں جہاد کی تربیت دو۔
بچی کو یوں پردے میں رکھو کہ ہوش سنبھالنے کے بعد اسے بے پردہ
صورتوں سے خوف و نفرت ہو جائے۔
سب عورتوں کی پیشوا حضرت فاطمہ زہرا ؑ نے فرمایا ہے:
"حجاب، عورتوں کا سب سے اچھا زیور ہے"
اگر عورت، مرد کے برابر ہے تو اس بچی کو ایسا دین و اخلاق، سوجھ
بوجھ، علم و ہنر سکھاؤ کہ واقعاً وہ مردوں کے لیے باعث رشک بنے۔
بچیوں کا زرنگار رنگ کپڑے پہننا، بچوں کے ساتھ اسکول کے میلوں
میں جانا ـــــ ان کا تھرکنا ـــــ مل کر بے معنی نظمیں پڑھنا۔

پھر ـــــ
راستے میں چھیڑ چھاڑ ـــــ
بس اسٹاپ پر بڑی لڑکیوں سے بڑے لڑکوں کی شرارت،
اور شریر لڑکیوں کا سرِعام عجیب عجیب باتیں کرنا اسے ایسی
ثقافت، ایسی تہذیب اور ایسے معاشرے سے قریب کرنے میں بہر حال
مدد دیتی ہیں جس سے اسلامی گھر کو پاک ہونا چاہیے،

یہ بچی کل ویسی ماں کیسے بنے گی جس کے احترام کا حکم خدا و رسولؐ نے دیا ہے ـــــــ ؟

اسکول کیوں بھیجا ـــــــ ؟ کہ وقت نہیں تھا اور گھر میں دیکھ بھال نہیں ہو سکتی ـــــــ !

ممکن ہے، عذر معقول ہو ـــــ مگر کہیں ماں باپ سینما تو نہیں جاتے ـــــ ؟

اس کے لیے وہ وقت بچا کر رکھتے ہیں یا نہیں ـــ ؟

دونوں بازار کے چکر لگاتے ہیں ـــــــ ؟

بچہ یا بچی باہر سڑکوں، گلیوں اور میدانوں کے تماشے دیکھ کر پلٹتی ہے تو خالی کمرے میں ریڈیو کے گانے اور ٹیلی ویژن کے بے معنی کارٹون۔ ...... تو اس کا استقبال نہیں کرتے ؟

نہیں،

بچی کو اسکول اس لیے بھیجا تھا کہ گھر خالی رہے اور اب ریڈیو، ٹیلی ویژن اس لیے کہ بچے بچیاں اس میں لگی رہیں اور گھر میں شور نہ ہو۔

نتیجہ کیا نکلا ـــــ ؟

ماں نے اولاد کو گھر سے باہر رہنے، گھر کے اندر یقیناً بری عورتوں اور برے مردوں کی عملی حالت اتنی مرتبہ دکھائی کہ اس کے ذہن میں نقش بن گئی ـــــــ وہ غیر ارادی طور پر مٹکنے لگی

جیسے جسم فروش ناچتی ہے

وہ اس طرح تیور بدلنے لگی ـــــ جیسے اخلاق کے ڈاکو حملہ کرتے ہیں ـــــ اس کی صوت و صدا، اس کی رگ رگ

اس کی بوٹی بوٹی، ایسے حرکات و سکنات سے مانوس ہو گئی جیسے.......

اب وہ لڑکوں کی سیٹیوں سے اگر خوش نہیں ہوتی، ——

تو غصہ بھی نہیں کرتی ——

وہ اگر باہر نکلنے کی خواہش کرتی اور شوکیس میں ایک رقاصہ کے جسم پر بلاؤز دیکھتی ہے ——

تو نظر ہٹاتی بھی نہیں ——

وہ دیواروں پر آگ اگلتی توپ بندوق کے سامنے دو لڑکے اور لڑکیوں کو گلے ملتے دیکھتی ہے ——

تو سینما کا جیسا مزا لیتی ہے ——

اب اسے گھر کی چار دیواری اچھی نہیں لگتی —— پردہ تو بڑے چھوڑ ہی چکے............!

بتائیے!

ایسے لڑکے اچھے باپ اور ایسی لڑکیاں دوست داران اہلبیتؑ اور کنیزان فاطمہؑ و زینبؑ بن سکیں گی؟؟

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ، آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر

طالبات

بچیاں، اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی میں پہنچتی ہیں تو

گھر کی غفلت سے یا وہ لڑکا بن جاتی ہیں ——

بے باک —— دلیر ——

آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے والی ——

دریدہ دامن ....

یہ لڑکیاں، عائلی زندگی اور گھریلو معاشرت سے بڑی حد تک بدل جاتی ہیں —— شوہر اور اولاد سے ان کا طرزِ بود و ماند دوستانہ یا افسرانہ یا قانونی قسم کا ہوتا ہے۔ اس لیے مستقبل کی پیش بندی کے طور پر ماں ہی سوچ سکتی ہے کہ اس لڑکی کی اٹھان کیسی رکھی جائے۔

نسوانی حِس —— معاشرتی رجحان اور فکری، دینی و اخلاقی مزاج کیونکر قابو میں رکھیں۔

ایسی لڑکیوں کی تربیت میں ذرا سی غفلت زندگی کو وبال بنا دیتی ہے۔

اعلیٰ ذہنی و فکری تربیت کے لیے مجتہد کا مجموعۂ مسائل —— "توضیح المسائل" —— سورۂ نور کی تفسیر اور سیرت اُمّ المومنین خدیجہؑ و فاطمۂ زہراؑ ..... پڑھنے پڑھانے پر خاص توجہ دیں۔

نماز کی پابندی ——

اور ——

امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر نظر رکھیں ——

مجالس و ماتم

کچھ گھروں میں مجالس و ماتم، میلاد و وعظ عام طور سے ہوا کرتے ہیں

کچھ گھروں میں کبھی کبھی، کچھ لوگوں کے یہاں شرکت کی رسم ہے - گھر میں یہ انتظام نہیں ہوتا۔

مگر .... کی کہانی ——— لکڑہارے کی کہانی -

کی رسم نئی نئی چل نکلی ہے -

ہم جانتے ہیں کہ کہانی کے نام پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے - اسے اہلِ دانش خواتین بھی نہیں سنتیں ، نہ سننا چاہیئے -

محرم ، صفر ، ربیع الاوّل ، شعبان ، رمضان، پانچ مہینے بہت اہمیت رکھتے ہیں - تربیت اور تقویٰ ، دینی تعلیم اور فکری نشو و نما کا اچھا ماحول قائم ہوتا ہے - مجلس و ماتم میں پرخلوص شرکت ، بہ اہتمام حصہ لینے کی سعی اور تقریر و تحریر ، مرثیہ و ماتم تو دھیان سے سننا اور پڑھنا چاہیے -

اگر لڑکیاں دو ماہ تک شہادتِ امامؑ اور تاریخ کربلا پر غور کرلیں تو بڑے اچھے نتائج برآمد ہوسکتے ہیں -

کربلا ہماری ہر طرح کی رہنما ہے

ربیع الاوّل حضرت خاتم الانبیاءؐ سے خصوصی نسبت رکھنے والا مہینہ ہے - اس میں میلاد و جشن رسمی طور پر نہیں ، عقلی انداز میں منعقد ہوں - سیرت ، اسلام ، تعلیمات و تاریخ کا مطالعہ ، رسائل و مجلات کا مطالعہ کیا جائے -

شعبان ، حضرت ولیٔ عصر امام آخرالزمان عجل اللہ فرجہ کے جشنِ ولادت کا مہینہ ہے - اس مہینے میں اپنے امام کی معرفت اور بحیثیتِ شیعہ کے اپنے فرائض سے باخبری اور تجدید عہد کرنے کی طرف توجہ دینا دلانا چاہیئے -

ماہِ رمضان، خواتین اور لڑکیوں کی گھریلو مصروفیتوں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے ——!

رنگارنگ پکوان —— افطاری کا اہتمام —— سحری کے لیے اٹھنا —— قرآن پڑھنا اور سننا ——

اس موقع پر اگر خاندان کی بڑی بوڑھیاں اور پڑھی لکھی بیبیاں ذرا سی توجہ دیں تو بچوں کی نفسیات کی جلا، تقویٰ کی جانب بڑھنے، توبہ کرنے، دل کو قابو میں رکھنے، غریبوں کی خبر گیری اور بے شمار پہلوؤں کی دیکھ بھال کرسکتی ہیں۔ فکری تربیت کا یہ بہترین مہینہ ہے۔

محرم اور رمضان میں اچھے گھر، پاک ضمیر گھر والے پہچانے جاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ خوشحال گھروں کو ان دنوں اپنے فرائض پر توجہ دلانا —— "ماں" کا فریضہ ہے ——

اور —— ایسے ہی گھروں کی قرآن میں تعریف کی گئی:

"ایسے گھروں میں ذکر خدا کی گونج رہتی ہے۔"

زیرِ نظر کتاب

خواتین کے لیے ہمارے یہاں کتابیں معدودے چند ہیں۔ ہماری پڑھی لکھی خواتین کے قلم سے تو دو ایک مختصر چیزوں کے سوا دیکھا پڑھا کچھ نہیں۔ بہت دنوں سے دل چاہتا تھا کہ ایک دو کتابیں لکھوں۔ مگر سوال یہ تھا کہ لکھوں ——؟

چھاپے گا کون ——؟ چھپواؤں۔؟ تو خریدے گا کون۔؟

بانٹ دوں تو پڑھے گا کون ——؟

مولانا شرف الدین صاحب نے اصرار کیا اور مجھے کتاب کسی حد تک پسند بھی آئی اور ڈاکٹر قائمی صاحب کی کتاب "نقشِ زنان در تاریخِ عاشورا" کا یہ ترجمہ ہو گیا۔

"تاریخ عاشورا میں خواتین کا حصہ" سادہ سی کتاب ہے۔ اس کا سرچشمہ مجالس ہیں۔ ہم سب نے محرم کی مجلسوں میں جو کچھ سنا ہے، اسے ایک ترتیب سے لکھا اور ایک زاویے سے دیکھا پھر اس کے بارے میں سوچا گیا۔

امام حسینؑ کی شہادت، حکمت و دانشِ اسلام کے لیے چشمۂ حیات و سربلندی ہے۔ کربلا ـــــ مرکزِ نور و ہدایت۔

اس واقعے نے آزادی، صداقت، عدل و انسانیت کو معراج بخشی۔

آدمیت کا فروغ نام حسینؑ ـــــ

اور ـــــ

زندگی کا دوام شہادتِ امام حسینؑ ہے ـــــ

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ

حسینؑ نوائے زندگی کا سوز بن چکے ہیں۔ حسینؑ سے آزادی کا سبق سیکھا گیا اور سیکھا جاتا رہے گا۔

اس کتاب میں چند سبق جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

امام حسینؑ چونکہ ہادیٔ امت ہیں اور بقولِ جوشؔ "چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں" اس لیے ایک سوال یہ ہے کہ ـــــ،

حسینؑ تجھے کون ـــــ؟

اس کے جواب میں ایک بات کہی جاتی ہے :

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ———

اور ———

ام المومنین خدیجہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے نواسے ———

ابو طالب بن عبد المطلب و فاطمہ بنت اسد رضوان اللہ علیہما ——

کے پوتے ———

علی و فاطمہ علیہم السلام کے بیٹے ———

امام حسنؑ و حضرت زینبؑ کے بھائی ———

امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ایک گفتگو یہ بھی ہوئی ہے کہ ان کی تربیت کس نے کی اور ان کا خاندانی پس منظر کیا تھا ؟

مفکر اسلام علامہ اقبالؔ نے فلسفیانہ مطالعہ کے نتیجہ میں کہا :

سیرتِ فرزندہا از امہات
جوہرِ صدق و صفا از امہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

اولاد کی سیرت ، اولاد کا کردار ماں بناتی ہے ،
صدق و صفا ، انسانیت و ایمان ماں کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

اس بنیاد پر بتولِ عالمِ نسواں ، سیدۂ عالمیاں ، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خواتینِ دنیا اور مادرانِ امتِ محمدیہ کے لیے "اسوۂ کامل" اور "مثالی" حیثیت رکھتی ہیں ———!

اور زینب ؟

اپنی عظیم ماں کی عظیم بیٹی ——

اپنے بڑے بھائی کی بے مثال بہن ——

تربیت —— علم —— جہاد —— تبلیغ —— ضبط و نظم ،

تدبیر و تدبر —— تقریر و بحث غرض ہر میدان میں خواتین عالم کے لیے رہنما۔

عصرِ عاشور تک واقعاتِ کربلا کے مرکز و محور امام حسینؑ

اور ——

بعد عصر عاشور ، حضرت زینبؑ ——

کربلا کے واقعے میں رنگ دونوں نے بھرے
ابتدا شبیرؑ نے کی انتہا زینبؑ نے کی

زیرِ نظر کتاب میں خواتین کے لیے اسی ابتدا و انتہا سے درسی فوائد جمع کیے گئے ہیں۔

فقط

سید مرتضیٰ حسین

صدر الافاضل

۲۸ صفر ۱۴۰۵ھ

دُوسرا حِصّہ
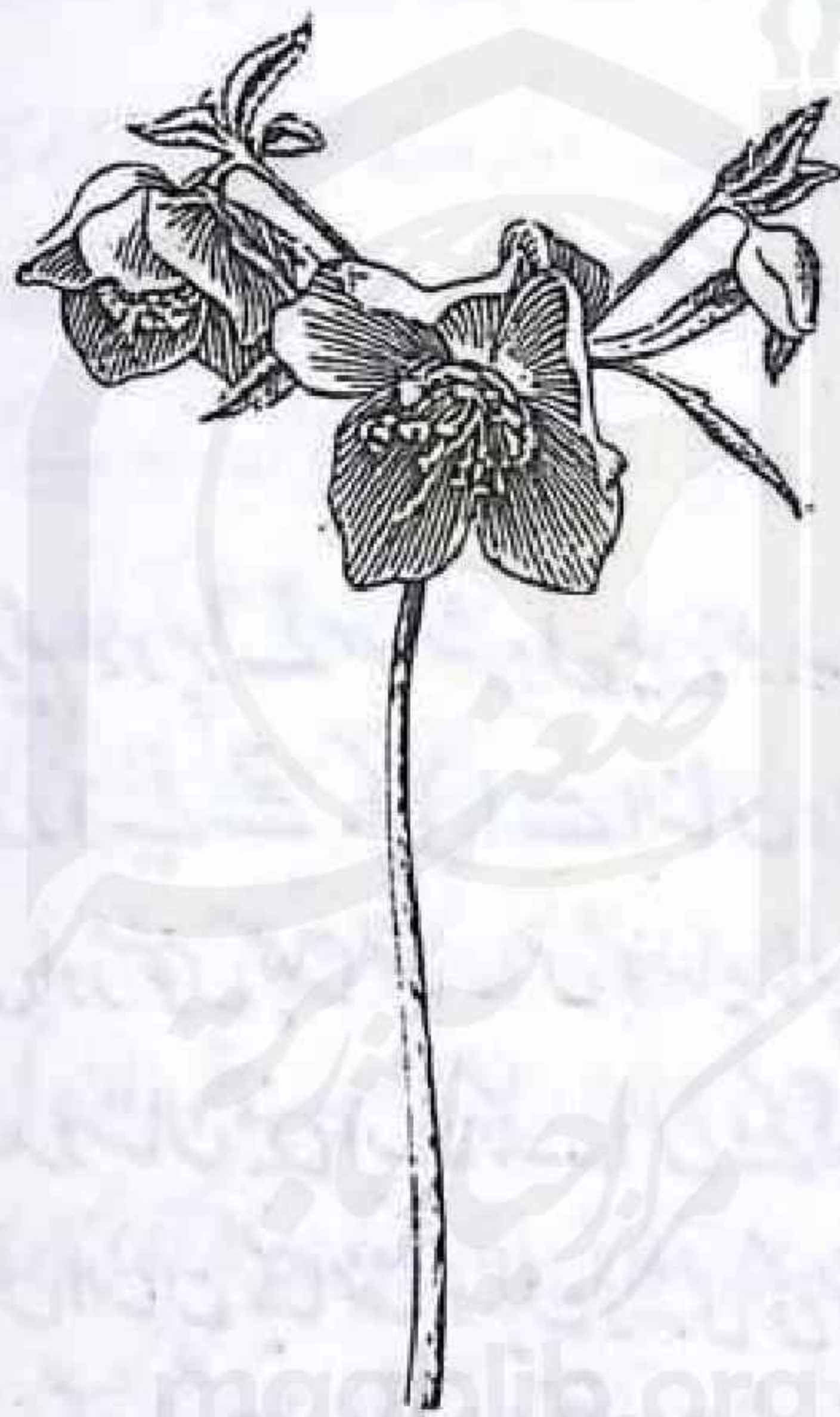
عورت کی زندگی پر ایک نظر

تاریخ قدیم

تاریخِ قدیم اور پرانے معاشروں میں عورت کے بارے میں عجیب عجیب خیالات اور رویتے تھے۔ کوئی اسے انسان و حیوان کے درمیان پُل جانتا تھا۔ کوئی اسے نجس اور منحوس سمجھتا تھا۔ اس کا سایہ ناپسند اور اس کا ساتھ بُرا تھا ـــــ ہندوستان میں اب تک اس کے گہرے نقش موجود ہیں۔

جب اور جہاں انسان بکتا تھا وہاں لونڈی کی قیمت جنسی معیار پر معین ہوتی تھی، وہ دست گرداں جنس لذّت تھی۔ اس کے دو کام تھے:

- ○ ــــ مرد کی خدمت
- ○ ــــ نسل کشی

اس کے علاوہ عورت کچھ نہ تھی۔

عورت جنگ و خون کا سبب قرار پائی۔ حصولِ زن کے لیے جنگ کی گئی، عورت فتح میں آئی، عورت مالِ غنیمت بنی، زینتِ پہلو، آرامِ بغل، لذتِ شب اور شمعِ محفل، اگر صاحبِ اولاد ہوئی تو خیر ـــــ ورنہ

سوختنی و فروختنی ، ذلیل و بے وقار ۔

ہندوستان میں لڑکی ، خاندان کی کمزوری اور ماں باپ کے لیے زیر باری تھی ۔ عربستان میں عورت کا وجود خاندان کے دامن پر دھبہ سمجھا جاتا تھا ۔ وہ لڑکی کا تصور کر کے بے آبروئی اور ذلت کے خیالات میں ڈوب جاتے تھے ۔ بیٹی کی خبر ولادت باپ کو آنے والے خطرات سے ڈرانے لگتی ، اس کا چہرہ بھڑک اٹھتا تھا ۔ وہ اسے زندہ در گور کرنا پسند کرتا تھا ۔

تاریخ کے طویل بہاؤ اور زندگی کے طوفانی دور میں ، عورت لگاتار ، نشیب و فراز ، رنج و اہانت کا نشانہ اور مصائب و مشکلات کا ہدف بنی رہی ہے ۔ چونکہ اسے جاہل رکھا گیا ۔ اس لیے خود اس کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہو سکا کہ وہ اپنی منزلت پہچانتی ۔ اور اپنی صحیح جگہ حاصل کرتی ۔

اس گراوٹ کے اسباب کیا تھے ؟ سر دست اس بحث کی تو گنجائش نہیں ہے ۔ صرف ایک نکتہ ضرور عرض کروں گا :

عورت کی بد نصیبیوں کا اکثر و بیشتر سبب خود ان کی ہم جنس عورتیں ہی ہوئی ہیں جو سادہ لوحی سے اخلاق باختہ لوگوں کا آلۂ کار بن کر انجان اور بے خبر لڑکیوں کو جسم فروش بنا دیتی ہیں ۔ پھر دکانوں کے شوکیس ، مال کا اشتہار ، سینما کا کاروبار اور عشرت کدوں کا شور و رونق بنا کر ان کے ساتھ ماضی بعید سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے ۔

عورت مغربی تہذیب میں

مغرب کا موجودہ تمدن اسلام کے بعد وجود میں آیا ۔ فطری طور پر اس

کا تذکرہ بھی اسلام کے بعد ہونا چاہیے لیکن ایک گروہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے مغرب نے عورت کی قدر وقیمت بڑھائی ہے۔

آئیے! پہلے ہم یہی بات کرلیں:

مغرب نے عورت کو آزادی دی ——— احترام اور قدر وقیمت بخشی ———؟

تحقیق سے یہ دعویٰ غلط نکلتا ہے۔

عورت آزاد ہوئی ہے ——— کس بات کے لیے؟ کس غرض اور کس گراؤنڈ پر ———؟

وہ آزاد ہے۔ یعنی وہ ہر بھوکے کی آواز پر دوڑے اور اس کی گود میں جا بیٹھے۔ اس راہ میں کوئی رکاوٹ اور اس کام میں اس پر کوئی پابندی نہیں۔

عورت آزاد ہے۔ یعنی بدکاروں کی نظر کے سامنے رہے۔ جنسی آگ میں جلنے والوں کی آگ بجھائے ——— پیے اور پلائے ——— پھر ننگی ناچے۔

ناچ جو مشکل ترین کام ہے، مشکل ترین مشقت ہے۔ وہ یہ محنت کا کام اس لیے کرے کہ مرد اس سے لطف اندوز ہو ———؟

عورت اپنی مادی اور روحانی جہت میں آزاد نہیں۔ وہ اپنے معاملات کو خود ہموار نہیں کرسکتی۔ وہ اپنی سرنوشت کے بارے میں خود نہیں سوچ سکتی۔

عورت آزاد ہے ——— آزادی کا خاص مطلب ہے۔ آزادیٔ نسواں دراصل مردوں کی آزادی ہے۔ مرد جس طرح چاہیں عورتوں کو استعمال کریں۔ عورتوں کو تر نوالہ کھلائیں، پیسے اس کی جیب میں ڈالیں۔ ایک قیمتی چمڑا، ایک سونے کی زنجیر، عمدہ قسم کی لپ اسٹک، موٹر کار، سامانِ آرائش،

زیور دیں اور قیدی بنائیں ۔ اپنے جال میں پھنسائیں ۔ اور کچھ دن میلے اور راتیں اکیلے گزار کر ٹھوکر مار دیں ۔

عورت کے بارے میں مغرب کا رویہ ۔ نام نہاد محترم کنیز، نہائی دھوئی لونڈی، خوبصورت خادمہ یا ڈکٹیشن لینے والی نوکر، زریں کمر کلرک، مردوں کا کھلونا، طناز، عشوہ گر، گرمیٔ محفل، نشہ آور چیز سے زیادہ کچھ نہیں — !

مغرب نے عورت کو ایسے گروہ کے حوالے کیا ہے جو عورت کو صرف لذت اور اپنی پسند کے لیے چاہتا ہے اور جیسے ہی دل سیر ہو جاتا ہے اسے دور پھینک کر نئی الجھنوں اور ذہنی و جسمانی اذیتوں میں، زندگی کے گندے قید خانے میں تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے ۔

مغرب کی عورت ذہنی کرب میں گرفتار اور چند روزہ خوش گزرانی کے بعد دائمی غموں کے شکنجے میں بے بس قیدی ہے ۔

مغربی نظامِ تمدن میں عورت کی غرض، خاندان کی گرم و حیات آفریں زندگی سے محرومی — بے سربراہ اور ناجائز اولاد کی پیدائش و فراوانی — عیاش نوجوانوں کی گرمیٔ بغل مہیا کرنا — مردوں کو عورت کے نان و نفقہ کے بوجھ سے بچانا — ایک معاشرے کو ایسی نسل تیار کر کے دینا جو شترِ بے مہار ہو — احساسات سے عاری اور احترامِ آدمیت سے بے خبر ہو ۔

مغرب جب اس دلدل میں پھنس چکا تو اسے ہوش آیا ہے اب اسے اپنے کیے کا نتیجہ بھگتنا ہی پڑے گا [۱]

---

[۱] مغرب میں باکردار و خود شناس خواتین ہیں مگر بے طبقہ مذہب (باقی اگلے صفحہ پر)

عورت اور
اسلام

اسلام نے عورت کے بارے میں تمام گزشتہ رسم و رواج کو پرکھا۔ ہند و یونان و دبستانوں میں اسے نجس و منحوس مخلوق اور خاندان کے کاندھوں پر بوجھ کہا جاتا تھا اسلام نے اس کو مسترد کر دیا۔ اسلام نے عورت کو حقارت و پستی کے بجائے رحمت و نعمت قرار دیا۔

یورپ کے عہد تاریک میں عقیدہ تھا کہ عورت بحران پیدا کرنے اور دنیا برباد کرنے والی شئے اور قابلِ خرید و فروخت و بکاؤ مال ہے۔ اس کا فائدہ فقط جنسی خواہش پوری کرنا ہے۔

اسلام نے اس عقیدے کی تردید کی اور عورت کو انسانی معاشرے کا معزز رکن تسلیم کیا۔ اسے تہذیب کی ترقی اور تمدن کی بقا کا ضامن، آزادی و قدر و اعتبار کا مالک بتایا ہے۔

اسلام جس ماحول سے ابھرا اس میں عورت کا وجود ماں باپ کی شرمندگی کا باعث تھا۔ سنگدل باپ کسی بات کا لحاظ کیے بغیر اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اسلام اس رویے کے بارے میں خاموش یا غیر جانبدار نہیں رہا۔ اس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اور اخلاق کا قائل ہے۔ اس لحاظ سے یہ بے اخلاق اور بے عقیدہ آزاد معاشرے سے تعلق نہیں رکھتا۔ ہماری گفتگو عام زندگی، عام معاشرے اور عام نعروں پھر ان کے ردعمل سے ہے۔

نے ایک انقلابی راستہ نکالا ۔ عورت کو باعزت و احترام صنف ماننے کے علاوہ اس کے تقدس کا اہتمام کیا۔

اسلام نے عورت کو اس ذلت آمیز ماحول سے نجات دلائی ۔ اسے مرد جیسا فرد منوایا ۔ وہی جوہر ، وہی روح ، وہی قدر و قیمت ، وہی حقیقت و ماہیت بتائی ۔

اس نظام میں عورت مرد سے بہتر یا کمتر کا سوال نہیں رہا ۔ اسلامی معاشرے میں بعض حالات میں مرد سے کمتر ، بعض میں برابر ، بعض زاویوں سے اسے مرد سے بہتر قرار دیا ہے ۔

اسلام کی نظر میں قرآن مجید کی بنیاد پر عورت آیاتِ خدا میں سے ایک آیت ہے ۔ وہ تخلیق کی ایک عظیم نشانی ہے ۔ اس کا حسن ، حفاظتِ عفت و تقویٰ میں ، اور اس کی صحیح قدر و قیمت پاکیزگی و پاک دامنی کے سائے میں ہے ۔

اس کی کمزوری کوئی عیب نہیں ۔ نقص اگر ہے تو بدکرداری میں اور بے عفتی و بے شرمی میں ہے ۔

اس کی قدر و قیمت دفتروں کی آمد و رفت میں نہیں ، جہاں وہ کلرک یا ٹائپسٹ ، کسی وزیر کی پی اے بن جائے اور وزارت حاصل کرے ۔ دراصل اس کا مرتبۂ کمال یہ ہے کہ کامل و مکمل نسل کو پروان چڑھائے ، ذمہ دار ، باتقویٰ و باشرافت ہو ۔ وہ معاشرتی معاملات میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کر سکتی ہے لیکن اس کی برتری اسی میں ہے کہ اپنی نسل کی تربیت کرے ۔ اس سلسلے میں خود اس کی اولاد کو اوّلیت حاصل ہے ۔ ماں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رہنمائی سے اپنی اولاد کو سب کے لیے مثالی کردار و

مومن بنائے۔

عورت کی اہمیت
اور اس کے حقوق

ہم مسلمانوں کی نظر میں عورت بڑی اہمیت کی مالک ہے اس کی حیثیت کئی زاویوں سے بے حد مؤثر ہے۔ وہ اپنی جگہ پر کشش اور مجسم محبت ہے۔ وہ فرد اور معاشرے کی تربیت کرتی ہے۔ استانی بلکہ استاد سے بھی بلند مقام رکھتی ہے کیونکہ اس کا لہجہ بچوں کے دل پر زیادہ اثر کرتا ہے۔

عین اس وقت جب وہ اپنے رفیق حیات و ثمر زندگی کے لیے خوراک مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کرتی ہے اسی لمحہ وہ معاشرہ کو مومن و مجاہد، عالم و محقق، قائد و سپہ سالار دیتی ہے۔ وہ "ماں" ہے جو ایک ہاتھ سے جھولا جھلاتی اور دوسرے ہاتھ سے پوری دنیا کو ہلا سکتی ہے۔ اس کے قدموں تلے جنت ہے۔ وہ معاشرے کو جنتی یا جہنمی افراد دینے کی ذمہ دار ہے۔

اسلام میں عورت کو مردوں جیسے حقوق دیے گئے ہیں (مساوی نہیں)، فطری ساخت، طبیعی مزاج، عادات و احساسات کی بنیاد پر، ان فرائض کی بنا پر جو اسے اسلامی معاشرے میں بطور منصب سونپے گئے ہیں۔ اس کے امکانات و اختیارات ایسے ہیں جن کا برملا اظہار کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی رعایت و استحقاقی حالت تقابلی طور پر مردوں سے برتر ہے۔

خدا نے جو صلاحیتیں اسے دی ہیں ان کے سہارے وہ انسانی عظمتیں اور افتخار آدمیت حاصل کر سکتی ہے۔ اسے حق ہے کہ اجتماعی زندگی و معاشرتی معاملات میں مؤثر اور براہ راست کام کرے۔ بشرطیکہ بہانہ طلب اور

بدکرداروں کا کھلونا نہ بن جائے اور لوگ اس کے وجود سے غلط فائدے نہ حاصل کریں اور وہ فریب کا نشانہ نہ بنے۔

اسلام اور تربیتِ نسواں

اسلام نے صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے عورت کی تعریف کی، اس کی ذات کو نمایاں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا احترام کیا، عزت و انفرادیت بخشی۔ صالح عورت کو جنت کا پھول، بیٹی کو ماں باپ کا گلدستہ کہا، ماں باپ کو اس کی تربیت، بہتری و محبت و نگہداشت کا ذمہ دار بنایا۔

وہ انسانی تاریخ و معاشرے میں اب تک ظلم و ناانصافی کا شکار ہوئی تھی اسے بھولی بسری چیز سمجھا گیا تھا۔ معاشرتی حقوق سے محروم اور علم سے دور چلی آرہی تھی۔ مرد اس پر بری طرح مسلّط تھے۔

اسلام نے آتے ہی سب سے پہلے عورتوں کے معاملات کو شکل و صورت بخشی، اسے کس مپرسی کے عالم سے نکالا، اسے ذات کا شعور اور قانون و حقوق شناسی کے قابل بنا دیا۔

تاریخ اسلام میں ازواج صحابہ (صحابیات) کے عنوان سے ایک خاص درجہ معین کیا گیا۔ ان کی سرپرستی اور دیکھ بھال براہ راست حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ ان کی معلومات کی سطح، ان کی تعلیم کا معیار بلند کرنے کا انتظام تھا۔ انھیں شوہروں کی تعلیم، محاذ جنگ پر جانے اور بیماروں کی ابتدائی طبی امداد اور زخمیوں کی دیکھ بھال، کبھی بیعت لیتے وقت مردوں کے ساتھ عورتوں سے بیعت لینے (سیاسی عمل) کی عزت بھی عطا کی۔ سرور دو عالمؐ کی توجہ نے عورت کو نیا وجود بخشا، باعزت وجود، باتشخص وجود۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی دیکھیے ــــــ !

حضرت زینبؑ کی کارکردگی پر نظر ڈالیے ــــــ !

حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں ان کے جلسے اور خواتین کو صورتِ حال سے باخبر کرنے کی مہم۔

اسی طرح دوسرے ائمہ کے زمانے میں خواتین کی طرف سے حمایت اور اجتماعی کوششوں میں حصّہ۔

ائمہ کی طرف سے شوہروں کو بیویوں کے حقوق کی یاد دہانی،

اور ــــــ

مادر و خواہر کے احترامات کی تعلیم ــــــ

عہدِ نبویؐ کی محنتیں بارآور ہوئیں اور حضرت علیؑ کے زمانے میں متعدد خواتین نے حمایت حق کی جن میں سے ایک حضرت "سودہ" اپنے غیر معمولی کردار کی وجہ سے تاریخ کو یاد ہیں۔ انھوں نے حضرت علیؑ کی حمایت میں جوانوں کو اقدام پر آمادہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

اسلام کی حیرت انگیز تبدیلیوں میں بہت بڑی تبدیلی عورت میں تبدیلی تھی جسے بنی امیہ اور بنی عباس نے سخت نقصان پہنچانے اور اسے عہدِ قدیم میں لے جانے کی کوشش کی۔

یہ اور بات ہے کہ حافظینِ اسلام یعنی ائمہ اہل بیتؑ نے ان کی سعی کامیاب نہ ہونے دی۔ اور تعلیم یافتگانِ دبستانِ رسالتؐ خواتین ابھرتی رہیں۔ اہل بیتؑ کی اس کوشش کا بھرپور نتیجہ تاریخِ عاشورا میں نظر آتا ہے۔ ہجرت کے ٹھیک اکسٹھ [۶۱] سال اور ظہورِ دعوتِ پیغمبر علیہ السلام سے چوہتر [۷۴] برس بعد اسلام کی دوسری نسل روئے زمین پر اپنا وجود منوا رہی تھی ــــــ

کربلا ـــــــ!

اسرار اہل بیتؑ ـــــــ!

تاریخ عاشورا

واقعۂ کربلا کوئی چھوٹا اور عام واقعہ نہیں ہے ـــــ یہ واقعہ دُنیا کے عظیم واقعات سے بھی عظیم تر ہے۔ اس کے نفسیاتی اثرات آج بھی جذبات، تربیت ـــــ سیاست ـــــ فوج ـــ اور متحرک معاشرے تک پھیلے ہوئے ہیں اور اندازہ یہی ہے کہ یہ اثرات باقی رہیں گے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں اس کے بُعد بڑھتے اور چھاتے جارہے ہیں کیونکہ اس واقعے کی جڑیں محروم عوام اور گرفتارانِ ظلم کے دلوں میں اتری ہوئی ہیں۔

یہ سانحہ دلوں کو برماتا اور جذبات کو چھیڑتا، غیروں کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنوں کو رلاتا رہتا ہے۔ جو شخص بھی اس واقعے کی چھان بین شروع کرتا ہے وہ گہرے تاثر میں ڈوب جاتا ہے۔

حسینیؑ انقلاب تاریخ میں بہت سی خصوصیات و امتیازات کا مالک ہے بلاشبہ یہ خصوصیات کسی اور واقعے میں موجود نہ تھیں جن میں سے ایک خصوصیت اسلام زندہ کرنے کی قوت ہے۔

تاریخ کو حکایات سے ہٹ کر مقاصد، اسباب و نتائج کی بنیاد پر دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ

امام حسینؑ نے شرافت، ایثار اور مقصد پر جس شان سے جان قربان کی۔ حریف نے اسی کمینگی، ظلم اور اسلام دشمنی سے کام لیا ـــــ

جس کی اصل جواب دہی تو اسے خدا کے یہاں کرنا ہوگی ——— ،

مگر تاریخ میں بھی ———

اسے دائمی شکست و رسوائی سے یاد کیا جائے گا۔

یزید کُلِ کفر بن کر ——— کُلِ اسلام حسینؑ کے مقابلے میں آیا اور دیکھنے میں وہ فتح کے نقارے بجاتا پلٹ گیا ———

لیکن ———

حقیقت و واقعہ میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھی ہی جیتے۔

انھیں کی جیت کے ڈنکے بجتے رہیں گے ———

عورتوں کا کردار

اِس تاریخ میں

کربلا اسلام کی زندگی کا سبب ہے۔

مجاہدین کربلا نے اسلام پر جان قربان کر کے دین کو بھی بچایا اور خود بھی زندۂ جاوید ہوئے۔

اس محاذ پر کام کرنے والے مردوں کی عورتیں بھی برابر کی حصہ دار تھیں وہ خواتین جن میں انسانیت کی تمام خوبیاں اور فضائل جمع تھے۔

احساس فرض ، مقصد شناسی ——— اور ——— ذمہ داری بجا لانے کی فکر ———

اگر کسی دور میں بیٹی کے نام سے ماں باپ کا سر احساسِ بے عزتی سے جھکتا اور چہرے کا رنگ اڑتا تھا تو یقیناً کربلا کی خواتین نے اپنے آباؤ اجداد کو آبرو بخشی ، انھیں تاریخی عزتوں سے سربلند کیا۔ ان کی قدر و قیمت بڑھائی۔

واقعۂ عاشورا میں عورت کبھی خیموں کے اندر تھی کبھی میدانِ جنگ میں ہر جگہ مصروف پیکار اور شکست ناپذیر۔

کبھی پانی کی طرح نرم ——— کبھی فولاد کی طرح کوہ شکن۔

باطل کے سامنے نہ جھکنے والی ———

خدا جانے "تاریخ عاشورا" میں کتنے بڑے بڑے کارنامے ان خواتین کے ہاتھوں رونما ہوئے۔ کتنے شجاعت آفریں اقدامات ان شیر دل خواتین نے کیے جو دیکھنے والوں نے دشمنی سے چھپا دیے اور تاریخ میں آنے سے رہ گئے۔

اللہ نے عورتوں پر جہاد واجب نہیں کیا۔ فساد و شرک و کفر سے ٹکر مردوں کی ذمہ داری قرار دی ہے۔ لیکن جب سرحدِ اسلام دشمنوں کے حملوں کی آماجگاہ ہو یا شریعت کی بنیاد کو خطرہ ہو، حملہ آور کے مقابلے میں مردوں کی نفری کم ہو اور مزید قوت درکار ہو۔

تو ———

خواتین پر میدان جنگ میں کس شان سے آنا فرض ہے؟

اس کا جواب کربلا کی خواتین نے دیا۔

تاریخ کربلا نشاندہی کرتی ہے کہ عورت بھی انسانی بلندیوں کے آخری درجے تک پہنچنے میں مردوں بلکہ شہیدان اسلام کے پہلو بہ پہلو چل سکتی ہے، بہت سے دلاوروں سے آگے بڑھ سکتی ہے۔

وہ بھی کعبۂ اسلام کی تعمیر، قرآن و آئینِ حق کی حفاظت اور خدا کی راہ میں نبرد آزما ہو سکتی ہے، وہ بھی قابل توجہ اور لائقِ احترام نتائجِ جدو جہد پیش کر سکتی ہے۔

عاشور اور بعدِ عاشور، تاریخ ساز خواتین نے مسلمان عورت کے امکانات اور اس گردہ میں اپنی بلندیوں کی حد بتائی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ عورت اپنی شخصیت کا اظہار کب اور کیونکر کر سکتی ہے۔

وہ امانتِ الٰہی کی امین اور اس کی محافظ ہے۔

بلاشبہ ان خواتین نے اسلامی حقائق اور پیامِ شہادت کے پھیلانے میں نئی سے نئی راہ نکالی اور نئی نئی مثالیں آئندہ نسلوں کو دے گئیں۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سی داستانیں بن کے رہ گئیں اور زیادہ شہرت نہ پا سکیں۔ دراصل ان عظیم خواتین کے بارے میں تاریخ کے پاس جو کچھ ہے وہ معجزہ نہ سہی تو کرامات ضرور ہے کیونکہ دشمنوں کی جو منصوبہ بندی تھی اس کی بنیاد ہی یہ تھی کہ اسلام، امام حسینؑ اور واقعاتِ کربلا و بعد کربلا کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

بحث کی ضرورت

عورت کی شخصیت، امکانات اور اس کی ارتقا پذیری کے پہلو اجاگر کرنے کے لیے ہم بحث و نتائج کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ عورت اسلامی نقطۂ نظر سے اسی دانش و بینش، سوجھ بوجھ اور شخصیت کی مالک ہو سکتی ہے جو مرد میں ہوتی ہے اور وہ اسی عزت و احترام کو حاصل کر سکتی ہے جو زندگی کی کشمکش میں مرد حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ گفتگو ان کے لیے بہت فائدہ رساں ہے جو صرف عورت ہونے کی وجہ سے احساسِ کمتری کا شکار ہیں یا مردوں کے اعزازات دیکھ کر اپنی ناتوانی محسوس کرنے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ اس کا علاج مغربی تہذیب میں ڈھونڈتی اور آنکھیں بند کر کے اس ماحول میں داخل ہو جاتی ہیں۔

اس دنیا میں راستہ بھولنے والی نسل اپنے نفسیاتی خلا کو پُر کرنے اور اپنے وجود کو ثابت کرنے کے لیے ہر سیاہ و سفید پر ہاتھ ڈالتی اور ہر الٹی سیدھی پٹی پڑھانے والے کی بات ماننے پر تیار ہو جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب ان کے لیے روشن راہ ثابت ہو گی۔

اس کاروباری دنیا میں جہاں بے خبر اور بلا خواہش، عورت کو سرمایہ دار اور تاجر خریدتے اور اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں وہاں انتہائی ضروری ہے کہ ان خواتین کو خود ان کی صنف کی ایسی عورتوں سے باخبر رکھا جائے جو سمبل (SYMBOL) اور مثالی تھیں ——— اور ہیں۔

انھیں انسانی شخصیت کے عناصر و اجزار ترکیبی بتائے جائیں جس سے ان کا نفسیاتی خلا پُر ہو اور گم شدگی اور اپنے وجود سے ناواقفیت کا احساس ختم ہو اور وہ اپنے وجود کے مثبت پہلو دریافت کر سکیں۔

——— ٭ ———

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج

"ہم تمھارے عمل کی جزا ضائع نہیں کریں گے

مرد ہو یا عورت"

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ط

وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ط

مردوں کو ان کے کیے کا حصّہ عورتوں کو

ان کے عمل کا اجر ملے گا۔

(القرآن)

تیسرا حصّہ
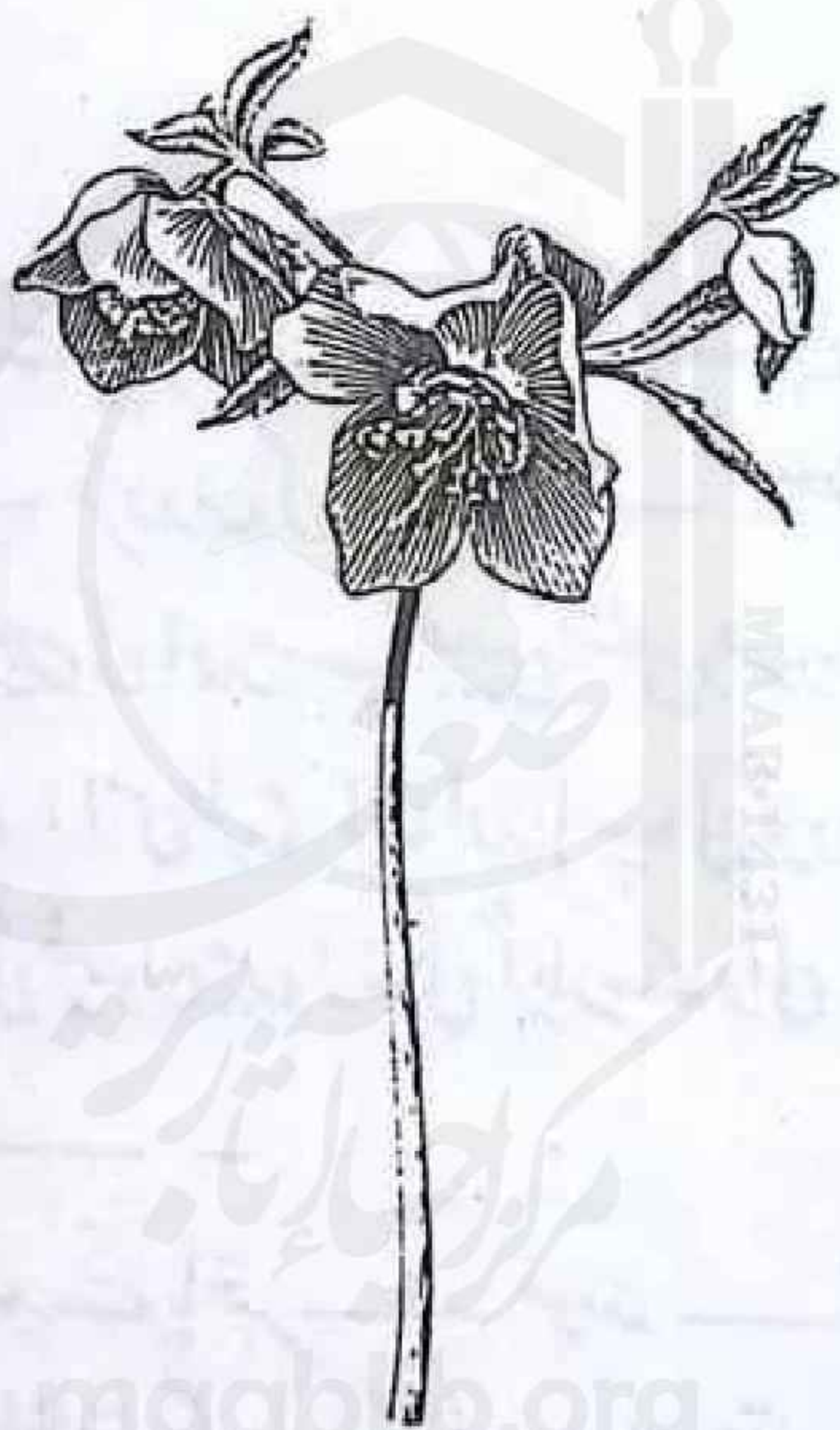
خواتینِ کربلا کون تھیں؟ کیا تھیں

تاریخ کے دمکتے چہرے ـــــ دبستانِ اسلام کی تربیت یافتہ،
پاک و دلیر ـــــ مَردوں کی ہم پایہ ـــــ عفت مآب ـــــ
باعزیمت ، اسی زمین کی اور سب جیسی شکل وصورت والی عورتیں۔ ویسی
ہی فطرت وجبلت ، اسی طرح ماں اور باپ کی گودوں میں پلی ہوئی ،
کچے مکانوں یا صحرائی خیموں میں زندگی گزارنے والی ـــــ
مگر ـــــ ـ
مقاصد سے باخبر ـــــ مومنہ ـــــ مخلص ـــــ راست باز
ان خواتین کے اخلاق و کردار کے بارے میں جتنی باریک بینی سے کام لیا
جائے اسی قدر ان کی شخصیت مدح وثنا کی مستحق اور جس قدر ان کی ذات
گہرائی اور ہمہ جہتی کی کسوٹی پر کسی جائے اسی قدر حیرت بڑھانے والی باعزیمت عورتیں

کیسی عورتیں ؟

مودّب ، مہذّب ، مہربان ، رحم دل ، خبثِ باطن اور کدورت و
حسد سے پاک ، سراپا فضیلت و تقویٰ ، سب کی سب ایک مقصد لیے ہوئے ،

سب کے احساسات یکساں ـــــ سب شعور آفریں ـــــ تاریخ عاشور کی زنجیر میں ایک دوسرے سے وابستہ کڑیاں ـــــ ایک کو بھی الگ کر لیجیے تو شیرازہ بکھر جائے۔

سب عورتوں کی طرح دل اور احساس و جذبات رکھتی تھیں۔

ہاں! یہ ضرور تھا کہ تربیت کی بدولت وہ جذبات کے قابو میں نہ تھیں ـــــ جذبات پر انھوں نے قابو پا لیا تھا۔ اس لیے وہ بااصول اور مثالی بن گئی ہیں۔

عام عورتوں کی طرح وہ بھی آسودہ زندگی بسر کرنا چاہتی تھیں۔ انھیں بھی خواہش تھی کہ اپنے جوان یا بوڑھے شوہروں کے ساتھ شب و روز گزاریں، آزادی سے بولیں چالیں، ہنسیں، کھیلیں۔ ہم سِن، ہم محلہ اور خاندان کی عورتوں میں بیٹھ کر رشک و حسد، چغل خوری و عیب جوئی اور قصے کہانیوں میں وقت گزاریں ـــــ دلفریب آرائش اور نمود و نمائش کے مقابلوں میں دوسروں کو نیچا دکھائیں۔

مگر نہیں ـــــ

ان خواتین نے ذمہ داری اور اپنی شخصیت کا احساس کیا ـــــ،

وہ فرض شناس ثابت ہوئیں ـــــ

انھوں نے غور و فکر سے کام لیا ـــــ ان کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اس دورِ پر آشوب، اس عہدِ فتنہ پرور اور فریب و فساد کے عالم میں خاموش تماشائی بنے رہنا۔ ان کے نزدیک معقول نہ تھا۔

ان کے نزدیک ـــــ،

کفر و الحاد کے غرور آمیز تیور اور "انا و لا غیری" کے دعوے خاموشی سے دیکھے اور سنے جانا غلط تھا۔

وہ سوچتی تھیں ـــــ اُٹھنا چاہیے ـــــ!

جینے اور مرنے کا راستہ متعین کرنا چاہیے ـــــ تاکہ ـــــ

حق زندہ رہ سکے ـــــ اور ـــــ زندہ رہنے کا حق

اسلام ہی کو تو ہے۔

مقصد کے انتخاب ، کارکردگی کی بلندی اور حسنِ کردار کی وجہ سے انھوں نے عالمی رہنماؤں کا درجہ حاصل کرلیا۔ وہ قائدین کے زمرے میں آگئیں ـــــ!

ان خواتینِ عالی مقام نے امام حسین علیہ السلام کی تحریک کو دنیا بھر میں پھیلایا ـــــ یہی مقصد تھا ان شہیدوں کا جو عاشور کے دن کربلا میں خون کے دریا میں اُترے تھے۔

یہ عورتیں تھیں مگر ایک انسانِ کامل کی تمام جہتیں، تمام خوبیاں، بلکہ ملکوتی صفات بھی رکھتی تھیں۔

معاشرتی زندگی میں دنیاوی خوشحالی کے اسباب ہونے کے باوجود وہ عبادت پر کمر بستہ ہوئیں اور وہ بھی گھر سے نکل کر جہاد جیسے اہم کام میں مصروف ہوگئیں۔

مراتبِ کمال ، انسانیت ، بنی نوع سے دوستی ، بشریت کی خدمت اور دنیائے محبت و تقویٰ میں ان کا کردار بے مثال ہے۔ آگے بڑھ کر ہم ان گوشوں کو نمایاں کریں گے۔

اگر انسانیت کے درخت میں صرف یہی پھل پھول ہوتے اور دوسری مخلوق ایسی نہ بھی ہوتی تو کافی تھا۔ ان خواتین نے انسانی تخلیق کو بامقصد سمجھا، بافلسفہ جانا، اور اسے بلند نگاہی کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر عملی کر دکھایا۔

بہت سے معاملات ہیں جن میں بظاہر مَردوں سے امید ِبرا ہی
ہوتی ہے ، تاریخ عاشورا اس سے مستثنیٰ ہے ——
یہاں مردافگن مسائل ہیں —— مگر —— خواتین انھیں حل
کرتی ہیں ——
پھر نسوانی لطافت ، نسوانی انداز ، اپنے وجود کا اثبات
بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔
کام مردانہ وار اور طریقہ احترامِ نسوانیت کا ——،

معصوم خواتین

کیا یہ خواتین معصوم اور گناہوں سے پاک تھیں ؟
نہیں —— ہرگز نہیں —— !!
ہاں ! انھوں نے جو اقدامات کیے ، جو کام انجام دیے وہ ایسے
تھے جو انھیں معصوموں کی صف میں لانے کے قابل بنا دینے والے تھے۔ ان کا
عمل و کردار معصومانہ انداز کا تھا۔
یہ خواتین وہ نہیں جن کی شان میں آیۂ تطہیر اتری۔ مگر اسی راہ پر اور
اسی نصب العین کے ساتھ تھیں۔
اصحابِ کسا کے قدم بقدم ، انھیں کے ساتھ ——
امام حسین علیہ السلام اصحابِ کسا میں تھے ۔ یہ سب اسی عظیم مصداقِ
کامل آیۂ تطہیر کے اہلِ بیت ۔ ان کی خواتین ان کے خاندان اور ان کے جلو
میں تھیں۔ وہ اہلِ بیت کی شبیہ نہیں تو ان کے سمبل، ان کے نمونے اور
ان کی سیرت کے مطابق چلنے والی ضرور تھیں۔

تاریخِ عاشورا میں ایسی معزز و مکرم خواتین کے نام دکھائی دیتے ہیں
جو نہ معصوم تھیں نہ آسمانی مخلوق ــــــ دُوسری عورتوں کی طرح عادات و
اطوار، عقل وارادہ رکھنے والی ، گھراور خاندانی زندگی بسر کرنے والی ،
مگر ــــــــ

ان مثالی شخصیتوں سے مستفید ہونے کے بعد وہ حق کی معرفت
حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں اور کمالِ خلوص سے راہِ حق میں جاں نثاری کی
اور تاریخ میں حیاتِ جاودانی کی مالک بنیں۔

انجمن

ان عورتوں نے ایک نظریاتی انجمن کی صورت اختیار کر لی ۔ چند جسموں
میں ایک روح ، رنگارنگ قبیلوں اور الگ الگ خاندانوں سے نکل کر یوں
یکجا ہوئیں ــــ جیسے ــــ کہکشاں کے ستارے اور ان کا چاند ــــ

بہت تھوڑے سے ستاروں والی کہکشاں ــــــ ،

مگر ــــ

چمکدار اور روشن ــــــ

کم ستاروں والی کہکشاں اس لیے کہ ان خواتین کی تعداد کم تھی۔
مگر عدد کی اہمیت ہی کیا ہے ــــــ ؟

اصل تو معرفت ، خدا پرستی ، محبت دین ، بلندیٔ مقصد ،
اور طہارتِ روح و وجدان ہے۔

دس بارہ عورتیں ــــــــ

مگر روشن ضمیر ، ہم عقیدہ ، ہم آہنگ ــــ سب ایک ؛

اس جمعیت میں جو گروپ دکھائی دیتے ہیں وہ ہیں:

- ○ —— اولادِ علیؑ و فاطمہؑ
- ○ —— حضرت زینبؑ و امّ کلثومؑ کی پہلو نشین خواتین
- ○ —— گم نام و بادیہ نشین خواتین

الف: اولادِ علیؑ و فاطمہؑ

چند خواتین۔ حضرت فاطمہؑ زہرا و علی مرتضیٰ علیہم السّلام کی صاحبزادیاں تھیں۔ یہ بیبیاں مدتوں خاندانِ رسالت بلکہ خود حضرت معصومہؑ کی تربیت میں رہ چکی تھیں۔

کچھ خواتین ایسی تھیں جو اسی دبستانِ تربیت میں پلی بڑھی تھیں۔ اسی رنگ میں رنگی تھیں۔ ان سب نے اخلاص عمل اور راہ و رسمِ اسلام سے متاثر زندگی بسر کرنے کے طور طریقے اپنائے تھے۔

زینب سلام اللہ علیہا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی دختر بلند اختر جنھوں نے خطابت و تقریر میں باپ کا لب و لہجہ اور تیور دکھایا۔ اور عفت و پاکیزگی میں مادر گرامی، سیدہ عالمیان و اہل جنت سلام اللہ علیہا کا چلن پایا۔ جو علیؑ کی طرح بہادر اور امام حسنؑ کی طرح خاموش و صابر اور امام حسینؑ کی طرح جاں نثار نبوت و امامت کے ادب آداب سے آگاہ۔ پیغمبر آخر الزمانؐ کا پاکیزہ خون رگوں میں رواں اور توحید کی خاطر اسلام کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ دل میں موجزن۔

جن گودیوں میں پلی تھیں وہاں غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے اور اسلام کے سوا کسی کا حکم ماننے کی اجازت کسے تھی۔ انھوں نے اپنی والدہ گرامی سے

یہ سبق سیکھا تھا کہ اسلام کے کسی پہلو پر ضرب لگنے سے پہلے اپنے پہلو پر چوٹ کھا لینے سے اصول اسلام میں کمزوری نہیں آنے پاتی۔

دروازے کا گرنا منظور مگر ارکان اسلام کا جھکنا برداشت نہ کرنا چاہیئے۔

ان کی خواہر محترمہ ام کلثوم کا بھی یہی انداز اور یہی کردار رہا۔ ان دونوں بہنوں کے زیر سایہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی بیٹیوں اور بیویوں کا تذکرہ نہ بھولیے۔ وہ سب زینب وام کلثوم سلام اللہ علیہما کی نگرانی وصحبت میں رہیں۔ راہ و رسم حیات انھیں عظیم خواتین سے سیکھے۔ مشکلات میں اپنا مقام حاصل کرنے اور اپنا فرض پورا کرنے کا دستور انھی سے سمجھا۔

ب: حضرت زینبؑ وام کلثومؑ کی پہلو نشین خواتین

دختران حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہی کے بارے میں گفتگو کافی نہیں ـــــ درست ہے کہ یہ خواتین بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ معصوم نہ ہونے کے باوجود غلطی کے موقع پر ان سے لغزش نہیں ہوئی ـــ لیکن انصار امام حسین علیہ السلام کی خواتین بھی کم حیثیت اور نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

یہ خواتین ایک عرصے تک حضرت زینبؑ وام کلثوم کی ہم نشین اور ان کے منصوبوں میں شریک، فکر و نظر اور عمل میں ان سے ہم آہنگ رہیں ـــــ!

ان محترم خواتین نے شہزادیوں کا حق تربیت خوب ادا کیا

ان کے راستے ، ان کی منزل، ان کے مقصد کو اچھی طرح سمجھا۔ تاریخ عاشورا کے سلسلے میں ان باکردار خواتین نے طویل مقابلوں میں فرمان حضرت زینبؑ اور اقدام دخترِ سیدہؑ پر چشم و گوش لگا دیے۔

ان کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ ہاتھ اور پاؤں میں دوئی نہ ہونے پائے جو اِن کے ہاتھ کا اشارہ ہو قدم اسی طرف بڑھے۔

مسافرت و اسیری کے طویل منصوبے میں کربلا سے کوفے اور کوفے سے شام تک راستہ ہو یا منزل۔ حتیٰ کہ مجلسِ ابن زیاد و دربار یزید میں حضرت کے گرد ہالہ بنی اور ان پر صدقے قربان رہیں۔ ان کو اپنے رہنما، امام و پیشوا کی جگہ مانا۔ جب بھی حضرت زینبؑ نے تقریر کی، ادب و خاموشی سے توجہ دی۔ اور جب شہزادی کی طرف سے پیش قدمی ہوئی یہ سب سکون و وقار کے ساتھ ان کی خدمت بجا لائیں۔

ج: گم نام اور بادیہ نشین خواتین

اس سفر میں کچھ خواتین ایسی بھی تھیں جن کے خاندان مشہور نہ تھے۔ ان کے گھرانے والوں نے کارنامے انجام نہ دیے ہوں گے۔ مورخوں کو ان کے نام و نسب یاد نہیں رہے۔ وہ کسی نسبت سے یاد نہیں کی گئیں۔ شاید ان کی پوری زندگی صحرا میں گزری تھی۔

بیابان اور چادرِ خیمہ اور اسی مزاج و ماحول کے مطابق مصروفیات، اپنے شوہروں کی مدد اور انھیں کی راہ پر چلنا۔

ہاں! خدا نے یہ قانون کبھی نہیں بنایا کہ شہیدان راہِ حق مشہور

خاندان اور معروف قبائل ہی سے ہوا کریں۔ ہر ایک اپنے معاشرے ہیں صاحب عزت و اقبال ہو سکتا ہے۔ بنیادِ عمل و اعزاز، فطری صلاحیت و قابلیت اور اسی کے مطابق اللہ کی عنایت۔ اہلیت کی نمود، خلوص و صفا کے سائے میں ہوتی ہے اور عنایتِ الٰہی بھی اسی لمحے شامل حال ہوتی ہے۔ بارگاہ خدائے لایزال میں نسل و خاندان و قبیلہ کچھ نہیں۔ وہاں کالے گورے کی بات نہ ہوگی۔

جو بھی عمل صالح اور قابلیت و صلاحیت کا عملی مظاہرہ کرے گا اسی معیار پر ——

کامیابی و انعام پائے گا ——

خدا سب پر اپنی حجت تمام کرنا چاہتا ہے —— اس نے پسندیدہ راستہ بتادیا —— اپنا پیغام پہنچا دیا —— آیتیں اتاریں ہر آیت کا مصداق سمجھایا ——

اور یہ کلیہ:

○ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اللہ کی بارگاہ میں معزز ترین آدمی وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا متقی ہو۔

مرد یا عورت کی خصوصیت نہیں ہے۔

○ انی لا اضیع اجر من احسن عملا

جو نیک عمل بجا لاتا ہے —— مرد ہو یا عورت —— ہم اس کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔

○ انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ

ہم تمھارے عمل کی جزا ضائع نہیں کریں گے مرد ہو یا عورت

○ "للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن"

مَردوں کو ان کے کیے کا حصہ عورتوں کو ان کے عمل کا اجر ملے گا۔

ان خواتین کی زندگی

یہ خواتین روزمرہ کی زندگی میں کس درجہ اور کس طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کا مقام و درجہ کیا تھا ؟

جواب واضح ہے :

اصولاً ، اقتصادی حالت ، ترقی یا تنزّل کی علّت یا رکاوٹ نہیں ہوتی، یہ نہیں ہے کہ جس کے پاس دولت و ثروت زیادہ ہوگی جنت میں وہ بڑی بڑی جاگیریں اور زمینیں خریدلے گا اور غریب و مفلس آدمی اس دنیا میں بھی محروم اور وہاں بھی محروم رہے گا۔

تاریخ عاشورا نے بتایا ــــــــ

کمال ، عزت و شرف کے واسطے صرف ایک چیز درکار ہے اور وہ ہے ــــــــــــ

ایثار میں خلوص ــــ ،

اصل یہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی ہے وہ خلوص کے ہاتھوں پر رکھے اور حضور باری میں نذر کرے۔

قاعدہ ہے پہاڑ کی چوٹی جتنی اونچی ہوگی اتنی ہی زیادہ برف اس پر جمع ہوگی ــــ بات بلند ہونے کی ہے ــــــ !

اپنی صلاحیت بڑھائیے ، امکانات وسیع کیجیے ـــــــ

ہمتِ بلند مددِ خدا ـــــــ!

خواتین روزِ عاشورا نے یہی کیا ـــــــ

اس پہلو سے مطالعہ کرنے والے کو خواتین روز عاشورا چند گروہوں میں نظر آئیں گی ۔ ہر گروپ ایک تناسب سے ملے گا ۔ ہر ایک نے اپنا مشن اسی انداز سے پورا کیا ۔

یہ گروپ کچھ اس طرح تھے :

الف: مفلس و غریب خواتین

خواتین عاشورا میں کچھ ایسی عورتیں تھیں جو صحرا نشین یا ایسی شہری زندگی بسر کر رہی تھیں جہاں کھانے پانی کا مناسب بندوبست نہ تھا ۔ جن کی پوری تاریخ سرخ اور گرم دھوپ اور لُو کے تھپیڑے کھانے میں گزری ، ان کے چہرے تمتائے اور فقر و فاقہ سے جھلسے ہوئے ـــــــ

لیکن ـــــــ پوری زندگی انھوں نے کسی کے آگے بھیک کا پیالہ نہیں بڑھایا ـــــــ وہ غیرت و حمیتِ ذات کی مالک تھیں ۔ اگر امام حسین علیہ السلام یا دوسرے صاحبانِ حیثیت کی حمایت و سرپرستی سے محروم ہو جاتیں تو زندگی گزارنا مشکل ہوتی ۔

اسی گروپ میں وہ عورتیں بھی تھیں جن کی زندگی دوسروں کی خدمت گزاری اور تنگ دستی و تنگ حالی میں بسر ہوئی ۔ اس کے باوجود ان کے خلوص ، خودداری و عزتِ ذات نے ان کے لیے ایسے راستے کھولے اور اللہ نے دنیوی افلاس کے بدلے ، ان کے خلوص و ایثار کے صلے میں ایسی دولت

اور وہ سرمایہ انھیں بخشا کہ حال اور مستقبل کے صاحبانِ جاہ و جلال آج تک اس مرتبہ کی آرزو کر رہے ہیں۔

ب : درمیانی طبقے کی خواتین

کچھ عورتیں وہ تھیں جن کی زندگی درمیانی درجے میں بسر ہوتی تھی — محدود پیمانے پر سہی مگر کچھ کھیتی باڑی، جانور، کاروبار اور گھر بار رکھتی تھیں۔ میاں بیوی مل جل کر محنت مشقت کرتے اور دو نوالے کھاتے اور زندگی کے دن بہ اطمینان گزارتے تھے۔ اگر ان کے پاس باغ و محل نہ تھے تو بہت سے مفلوک الحال لوگوں کی طرح خاک نشین بھی نہ تھے۔

متوسط درجے کی زندگی، شکرِ خدا اور بندگی۔ دو لقمے جو کھاتے تو سجدۂ شکر بجا لاتے۔ ضمیر مطمئن کہ اس میں کسی غریب کا حق یا شبہے کا دانہ شریک نہیں۔ ایک پروگرام اور مختصر مصروفیات سے فارغ ہو کر ذکر و فکرِ عبادتِ خدا مشغلہ ہوتا۔

ان کے دل میں کینہ و حسد، خیانت و فساد کی نیت اور ان کے دماغ میں بدی کے خیالات و گمان نہ تھے۔

ان خواتین کا اس مرتبہ پر پہنچنا طبیعی بات تھی۔ جن مردوں اور انقلابوں نے تاریخ میں کوئی مقام حاصل کیا ہے۔ جنھوں نے مافوق العادت کارنامے انجام دیے اور کامیاب انقلاب برپا کیے یا انسانیت کی خاطر کچھ کام کیے ہیں ان کا تعلق اسی درمیانہ درجے والوں سے رہا ہے۔

ایسے افراد اسی درمیانی طبقہ سے ابھرے۔

اپنے جیسے آدمیوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں خلوص نیت

سوچ کہ مال و دولت نصب العین و مقصد ہے یا وسیلہ و ذریعہ ؟

ان خواتین کی

شخصیت و روحانیت

یہ خواتین اگرچہ بظاہر نادار، محتاج ، گم نام اور کسی حد تک تاریخ حیات میں انجان وغیر مشہور تھیں ، لیکن ان کے طور طریقے اور تاریخ کربلا میں ان کے اقدامات اور نتائج کے پیش نظر اس کے واضح نشانات ملتے ہیں کہ یہ عورتیں انسانیت کے ان بلند ترین مقامات پر پہنچنے کی صلاحیت رکھتی تھیں جن کو شخصیات و نفسیات پر بحث کرنے والے ضروری سمجھتے ہیں ۔

یہ خواتین

بجائے خود شخصیت کی مالک تھیں ۔ اپنے معاملات کو مناسب ترین انداز سے انجام دینے کا سلیقہ رکھتی تھیں ۔
خاندانی رسم و رواج ، بے معنی احساسات و جذبات سے آزاد تھیں ۔ وہ اسلامی تہذیب سے برگشتہ اور اجنبی کلچر پر فریفتہ اور ہاتھ پاؤں باندھ دینے والے رنگ ڈھنگ کی عادی نہ تھیں

① بصیرت :

ان کے شعور کی سطح اور ان کی بصیرت اپنی جیسی عورتوں سے بدرجہا بلند تھی ۔ ہر قید سے آزاد اور غیر شرعی ہوسناکیوں ، غیر انسانی طور طریقوں کے سامنے سپر انداختہ نہ تھیں ۔

سے یہی لوگ سوچتے ہیں ، اس کا مداوا ڈھونڈتے ، ایک راستہ بناتے ہیں اور اس کی کامیابی کے نتیجے میں وہ فکر "دبستان" کی صورت اختیار کرکے انقلاب آفریں اور محافظِ انقلاب قرار پاتی ہے۔

ج : اشراف

اس مجمع میں وہ عورتیں تھیں جن کا تعلق علاقے کے خوشحال و معزز گھروں سے تھا۔ ان خواتین نے زندگی کا ایک حصہ فارغ البالی و آسائش میں گزارا تھا۔ کچھ خواتین ایسی تھیں جن کے گھروں میں نوکر چاکر تھے ——— باغ تھے ——— مکانات تھے، بڑی حد تک خوشحال و فارغ البال تھیں۔ معاشی اور معاشرتی مشکلات سے بہت زیادہ آشنا نہ تھیں۔

ان کے لیے کوئی ایسی صورتحال نہ تھی کہ وہ مجبور ہو کر گھر سے نکلیں اور مرنے پر تیار ہو جائیں۔ زندگی سے سیر ہو جائیں اور جاں بکف مجاہدوں کے ساتھ کربلا کا رخ کریں۔

ان کو سرمایہ داری کے کسی آسیب نے برداشتہ خاطر کرکے مرنے پر آمادہ یا دنیا سے بدظن نہیں کیا تھا ——— شہادت کی راہ میں ان کا سفر اور شہیدوں کے پہلو بہ پہلو اِن کا کردار سرمایہ داروں کے منفی رجحان کا پیدا کردہ نہیں تھا۔

اللہ اپنے بندوں پر اپنی حجت تمام کرتا ہے ، وہ نشان دہی کرتا ہے کہ مال و دولت یا فقر و محرومیت کسی بامقصد فرد کو اس کے نصب العین سے نہیں روک سکتی۔ خوشحالی، آرزومندانِ شہادت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی ——— بنیادی بات خود آدمی کی عزیمت ہے اور اس کی یہ

وہ عورت تھیں ــــــ

مگر مردوں کی ناجائز خواہشات ــــــ اور ــــــ

اپنے غلط رجحانات کی پابند نہ تھیں۔ ایسے ارادوں کی مالک جو ہر خواہش پر کنٹرول اور ہر عمل پر قابو رکھ سکیں۔ عزتِ نفس و خودداری ان کی فطرت کا جوہر تھی۔ جہاں جہاں ان کی عظمت کو دھچکا لگنے کا امکانِ بعید بھی ہوا وہاں وہاں سے ہٹ کر سربلند نکلیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت پر انھیں ناز تھا۔ جاہل اور مستکبر معاشرے کے طور طریقے اور اس کی دل فریبیوں سے دور و بیزار۔

ان کی ہنسی، ان کا رونا، ان کا اٹھنا بیٹھنا سب کچھ فکر و نظر و مقصدیت کا آئینہ دار تھا۔

(۲) عابد و زاھد:

وہ عورت تھیں ــــــ مگر ــــــ ان میں اکثریت عبادت گزار و بکثرت یادِ خدا کرنے والیوں کی تھی۔

وہ بہت سے عابدوں سے بڑی عبادت گزار تھیں۔ عین میدان جنگ اور مورچہ بلکہ دشمن کے ہجوم میں ہونے کے باوجود نماز شب کی پابند رہیں۔ بھوک پیاس اور بے حد و حساب رنج و اذیت کے ہوتے ہوئے اگر کھڑے ہو کر فریضہ ادا نہ کر سکتی تھیں تو بیٹھ کر نماز ادا کرتی رہیں۔

یادِ خدا سے انس و راحت و اطمینان حاصل کرتی اور

اسی بنیاد پر زاہدانہ زندگی اختیار کر چکی تھیں ۔ راتوں کو محرابِ مصلے ، دلوں کو کارزارِ حیات میں ۔ ان کی مصروفیات میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی ـــــ نہ دنیاوی مفلسی ـــ نہ عزیزوں کی موت ـــ نہ دشمنوں کی دھمکی۔

بات بھی یہی ہے ، جو خدا سے لو لگا لیتا ہے اسے دوسرے مسائل و مشکلات کی پرواہ نہیں رہتی ۔ جس کا رشتہ اللہ سے مضبوط ہو جاتا ہے ، جو ابدیت پر نظر رکھتا ہے اسے چند روزہ اور فنا پذیر باتوں سے کوئی رغبت نہیں رہتی ۔

(۳) با عظمت :

یہ خواتین عظیم تھیں ، یہ خدا سے قربت رکھتی تھیں ۔ اللہ کی عظمت ان کے دلوں میں سمائی ہوئی تھی ۔ انھیں روحانی عظمت حاصل تھی۔

ان کی کوشش تھی کہ نورِ الٰہی ان پر ضو فشاں ہو جائے عالی ظرف تھیں لہٰذا دنیاوی تعلقات دل سے نکال چکی تھیں اور دل کو محبوبِ حقیقی کے جلووں اور لقاء عطار الٰہی پر مطمئن کر چکی تھیں ۔ اسی لیے بڑی حد تک وہ کامیاب بھی ہوئیں۔

ان خواتین کی عظمت کو سمجھنے کے لیے چند نکتے ذہن میں رکھنا چاہیے۔

- ○ ـــــ واقعہ کربلا کی وحشت ناک صورت۔
- ○ ـــــ مارپیٹ ، قتل ، آتش زنی اور تباہی کے لیے دشمن کی بے باکی۔
- ○ ـــــ اتنے دشمنوں میں ان عورتوں کی تنہائی

اور بے یاری و مددگاری۔

○ —— شوہروں، اولادوں اور بھائیوں کی موت (شہادت) جیسے المیے۔

○ —— درپیش راہوں اور منزلوں کی نامعلوم مسافت۔

چوتھا حصّہ

ان خواتین نے کیا کیا؟

معجزہ دکھایا

سوال یہ ہے کہ ان عورتوں نے کیا کیا ہے؟ اس کا جواب دو لفظوں میں یہ ہو گا:

معجزہ دکھایا
دلاوری کی تخلیق کی۔
ایک وسیع سطح پر شہادت کا پرچار کیا ——— شہادت کا پیغام انتہائی اہتمام کے ساتھ مسلمانوں تک پہنچایا۔
اسلام کو زوال وانہدام سے بچایا۔ خود امام حسینؑ کی مدد کی۔ اپنے مردوں کو اسلام اور امامؑ پر جاں نثاری کے لیے تیار کیا۔
ان کا حوصلہ بڑھایا ——— شہیدوں کے راستے سے بڑے بڑے پتھر ہٹائے اور اخلاق وانسانیت کا غیروں کو سبق دیا۔
کان، آنکھ بند کر کے سونے والوں کو بیدار کیا ———
سارے جہان کی عورتوں کے لیے اسلامی اساس پر نئے سمبل اور نئے

معیار بنائے
آخر کار ان میں سے کچھ شمع کے مانند جل بجھیں مگر محفلِ انسانیت جگمگا کر زندگی کے نظریاتی رُخ کو آب وتاب دے گئیں ——
درحقیقت تاریکی اور گھٹن کے دور میں اسلام کا معجزہ ہے کہ ایسی خواتین کو پیدا کر دکھایا جو میدانِ کارزار و شہادت میں کھڑی ہوئیں۔
وہ خواتین جن کے احساسات و جذبات ——
تاریخ عاشورا میں نقش آفرین ثابت ہوئے۔ جن کی نظریاتی سوجھ بوجھ تاریخ ساز و چارہ ساز تھی۔

تعارف اور احیاء زن

پوری تاریخ میں خواتین کو ایسا موقع نہیں ملا جس میں وہ اپنا وجود اور اپنی قابلیت کا لوہا منوائیں۔ عورت کی تحقیر و بدنامی کے عوامل و امکانات سب کے سامنے رہے اور خواتین کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ اپنے بارے میں دوسروں کی افواہوں، الزاموں اور بدنامیوں کا تجزیہ و تجربہ کر سکتیں۔
آہستہ آہستہ انھیں اپنی کمزوری، بزدلی، پس ماندگی ——
اور مرد کی خدمت گار ہونے کا یقین ہو گیا ——
وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھیں کہ ان کا وجود ——
مرد سے حقیر ہے،
ان کی وجہ سے خاندان کا سر جھک جاتا ہے ——
تاریخ عاشورا کی خواتین نے سمجھایا کہ یہ تصوراتِ باطل اور افسانے استثمار گروں اور جاہلوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔

مرد کی طرح عورت بھی اللہ کی تخلیق اور قابلِ احترام انسان ہے۔ وہ بھی اپنے امکانات اور صلاحیتوں کے مطابق قابلِ توجہ کارنامے انجام دے سکتی ہے۔

ان محترم خواتین نے ہندوؤں کے اس عقیدے کو باطل کر دیا کہ:

" موت ـــــ طوفان ـــــ
جہنم ـــــ سانپ کا زہر ـــــ اور ـــــ آگ بھی
عورت سے بدتر نہیں "

کتابِ مقدس میں کسی نے لکھا تھا:

" ہزار مردوں میں ایک آدمی ایسا مل سکتا ہے ـــــ
جو ـــــ
محبوبِ خدا ہو ـــــ،
مگر ایک ہزار عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہوگی
جو خدا کو پیاری ہو"

ان خواتین نے یہ بات نظروں سے گرا دی ـــــ

ان خواتین نے تاریخِ عاشورا میں یہ بتایا کہ ان کا وجود، خاندان کی ذلت و رسوائی و ندامت کی علامت نہیں ہے۔ عورت، زندہ درگور کرنے والی مخلوق ہونے کے بجائے خاندان کا سرمایۂ فخر، محبوبِ خدا و رسولؐ ہے۔ وہ معاشرے میں مرکزی درجہ رکھتی ہے ـــــ اس کا منصب نظم و نسق کی دیکھ بھال ہے ـــــ اس کی ذمہ داری نسلِ جدید کی تربیت ہے ـــــ تاکہ ـــــ معاشرۂ انسانی برقرار رہ سکے۔

ان خواتین نے اپنے حیرت انگیز عمل سے معاشرے کو بدل دیا۔

عورت کے ـــــ "قیدی" اور ـــــ "مالِ تجارت" ـــــ ہونے کا خیال باطل کر دکھایا۔

ان خواتین نے بتایا ـــــ کہ ان کا مرتبہ ، ان کا درجہ، کبھی کبھی مردوں سے بھی بلند ہو سکتا ہے ،

یہ نظریہ اور یہ فلسفہ "احیاءِ زن" کے بین الاقوامی سطح پر زندہ رکھنے میں ایک بڑا کارنامہ تھا۔

ان خواتین کی تمنا اور ان کی نیّت

وہ خواتین یہ نہیں چاہتی تھیں کہ چند روزہ زندگی اور اس کی سرگرمیوں میں جو درد و غم پنہاں ہیں جو تعلقاتِ بے اساس ہیں ان میں داخل ہو کر اپنے تئیں چھپالیں۔ پھر اسی عالم میں ہنس کھیل کر اپنے تئیں خوش رکھ کر، معاشرتی دکھوں کو بھلا دیں۔ خواہ وہ دکھ درد معاشرے میں اسی طرح رینگتے رہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ ظاہری حسن و جمال اور وقتی لذتیں بہت جلد گزر جائیں گی۔

یہ ہر حال میں مگن اور دنیاوی دھندوں میں الجھے رہنا اور حقائق کو فراموش کرنے کی کوشش کرنا آدم زاد کی شخصیت کو مرجھا دیتی ہے ـــــ اسے فنا کر دیتی ہے ـــــ اور ـــــ فکری و اخلاقی حسن و رعنائی، انسان کو ابدیت بخشتی ہے۔

جس قدر وقت بڑھتا جاتا ہے ـــــ
یہ حُسن اپنی تاثیر و کشش میں اضافہ حاصل کرتا جاتا ہے ـــــ

ان خواتین کی خواہشات ، ریاکاری ، جھوٹی تمناؤں ، بناوٹی باتوں ، زرق برق بناؤ سنگھار اور نفسیاتی دباؤ کے اظہار سے متعلق نہیں

تھیں۔ ان کی تمام تر تمنا عدل وحق کا نفاذ تھی۔ وہ ایسے اقدامات کرنا چاہتی تھیں جن سے سب کو فائدہ پہنچے۔

وہ خانہ نشین رہ کر جنسی رجحانات وخیالات کے گھوڑے دوڑا سکتی تھیں۔ کھاتیں، پیتیں، پہنتیں اوڑھتیں اور غم زندگی کو نشہ آور لذتوں میں ڈبو دیتیں۔ معاشرتی دکھ درد سے آنکھیں بند کر لیتیں۔

مگر وہ نئی تخلیق کی آرزومند تھیں ـــــــــ،

وہ ایسی دنیا ایجاد کرنا چاہتی تھیں جس میں ـــــــ

حقیقی آزادی ـــــ اور ـــــ اللہ کی حاکمیت کی

بات ہو ـــــــ

یہی عزیمت لے کر ـــ گھر بار، مال ودولت، نوکر چاکر باغ اور کھیت، سہیلیوں کی انجمن سے ہاتھ اٹھا کر ـــــــ

کربلا ـــــ روانہ ہوئیں۔

نصب العین

ان خواتین کا نصب العین، ان کا مثالی مقصد، ان کی نظر میں زندگی کا جو ماڈل تھا، مادی یا روحانی نمونوں میں جو مثالی ہدف انھوں نے اپنایا تھا وہ فقط مادی یا محض روحانی نہیں تھا۔

انھوں نے خواتین میں ایسی عورتوں کو قائد ورہنما بنایا تھا جن کا نام وکام، زندگی ساز وحیات آفریں راہوں سے طاغوت کو ہٹا دینا ـــــ

اور ـــــ

حق کی بالادستی وحکومت قائم کرنا تھا۔

تاریخ زندگیٔ بشر میں ، ساغر شراب کے زیر سایہ ، مادی لذتوں ، قیمتی لباس ، بہتر سے بہتر خورو خواب میں راتیں بسر کرنے والی عورتیں ، فرعون کی آغوش اور شبستانوں کی محفلیں گرم کرنے والیاں بکثرت ملیں گی ——
مگر ان کی عمر کا حاصل ——
طاغوتوں کی خنکیٔ چشم و آغوش —— اور —— ان کی ہوس رانی کا نشانہ ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اس کے پہلو بہ پہلو ایسی خواتین بھی ملتی ہیں جنھوں نے مظلوم اور محروم افراد کی خاطر ، معاشرے میں الٰہی قوانین کے لیے ظلم و ستم برداشت کیے۔
موت کی سختیاں جھیلیں ——
مگر سامراجیوں کے سامنے سر جھکانا گوارا نہ کیا۔ ان میں کچھ فرعونِ وقت کے گھر میں تھیں کچھ کنیزی کے عالم میں۔

ان خواتین نے اپنا کردار ان بیبیوں کے کردار کے رنگ میں رنگا جن کا تعلق دوسرے گروہ سے تھا۔
یعنی —— آسیہ ، مریم ، ہاجرہ ، سارہ ، خدیجہؑ ، فاطمہؑ ....

وہ ان کرداروں کو سامنے رکھ کر میدان میں آئیں اور معرکہ گرم کیا —— آگے بڑھیں ، مردوں سے جا ملیں اور تاریخ کے عظیم شہیدوں کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہو گئیں۔

ان خواتین نے اپنے منتخب کردہ مثالی کرداروں کے ذریعے خواتینِ عالم کو بتایا کہ اگر وہ چاہتی ہوں کہ :
زندگی کے بوجھ تلے نہ دبیں —— ذلت و رسوائی ، استثمار

اور غیروں کے تسلط سے آزاد رہیں ــــــــــــ

اسلام کے پرچم تلے مقدس آزادی سے بہرہ ور ہوں ؛

تو ــــــــــــ

ان کے مثالی کرداروں کو سامنے رکھیں ، ان کا راستہ چلیں

یہ طریقہ سوچا سمجھا اور آزمایا ہوا ہے۔

ان خواتین کا انقلاب

اس تیرہ و تار ، ہنگاموں اور خلفشار کے ماحول میں جب فریادیں حلق میں گرہ بن چکی تھیں ـــــــ ایک چھوٹا سا گروپ اٹھ کھڑا ہوا ، وہ دنیا کے پرانے نظام کا تختہ اُلٹنے کے خیالات سے سرشار تھا۔

وہ عہدِ تاریک ، جب ظلم و بیداد کا ہر طرف دور دورہ تھا ؛ اسلام اور مسلمانوں کی تقدیر ، تہی مغز و عیاش افراد کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی تھی ، ایک چھوٹا سا گروپ مردوں کا (جن کے ساتھ نہایت شاندار خواتین) امام حسینؑ کی سربراہی میں نکلا ــــــــــــ

اس گروہ نے گھنٹی پر چوٹ دی اور تاریکیاں چھٹیں۔

ان لوگوں نے مفاد پرستی اور خود پسندی ، انسانیت دشمن طور طریقوں کے خلاف آزادی کا پرچم کاندھوں پر رکھا ــــــــــــ

اور موجودہ حکومت کے خلاف جد و جہد کا آغاز کر دیا۔

دنیائے نسوانیت میں ایسی عورتیں کم ہوں گی جنھوں نے خانگی فرائض سے نکل کر اتنے بڑے میدان میں قدم رکھا ہو ــــــــــــ

معرکۂ کربلا اس کے برخلاف تھا ـــــــ ،

اس معرکہ نے خواتین کے گہرے ادراک، تقدیر آفرین پیام اور اسلام کے انسانی منشور کی نشان دہی کی۔ وہ یہ سمجھتی تھیں کہ

جو اسلام معاشرتی زندگی پر مسلط کیا گیا ہے ——،

وہ اسلام نہیں ہے ——————؛

وقت کی ذمہ داری یہ نہیں کہ چند آدمی اسلام و مذہب کے معاملات انجام دیتے رہیں۔ باقی افراد جو چاہیں وہ کریں۔

ان خواتین نے محاذ لگایا —— مردوں کے مساوی حقوق مانگنے کے لیے نہیں کیونکہ یہ نعرہ فتنہ انگیز اور غلط نتائج کا حامل ہے۔

ان کا محاذ انسانی حقوق اور اللہ کے وعدوں کو نافذ کرنے کے لیے تھا۔ وہ عدل و اسلام کو اس کا صحیح مقام دلانے اور شرک و طاغوت کو سامنے سے ہٹانے اور اسے اس کی تاریخی منزل، کوڑا گھر پہنچانے کے لیے اٹھی تھیں۔

یہ خواتین اٹھیں اور انھوں نے اپنے محاذ کے ذریعے سرکشوں کو سب سے بڑا سبق سکھایا۔ انھوں نے حال و مستقبل کی تاریخ میں انسانیت کو بہت اہم وارننگ دی۔

انھوں نے کہا ——————

حکومت کے لیے قانون اور وہ بھی الٰہی قانون ضروری ہے۔

اس قانون کی حمایت وحفاظت کے لیے اٹھو اور قانون سے تجاوز کرنے والوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا دو۔

درحقیقت وہ اس عزیمت میں جہاں تک کامیاب ہوئیں۔ وہ ان کی روحانی قوت کا نتیجہ تھا۔ انھوں نے اموی اقتدار کی ناک میں نکیل ڈال دی اور انھیں گورستانِ تاریخ کے حوالے کر دیا۔

ان خواتین کی شجاعت

وہ دلیر و بہادر خواتین تھیں ، دشمن کی دھمکیوں اور دباؤ کے باوجود اپنی جگہ سے نہ ہٹیں ۔ اولاد ، بھائی اور وارث ان کی آنکھوں کے سامنے خون میں نہائے مگر نہ ان کے قدم ڈگمگائے نہ ان کی عزیمت میں فرق آیا ۔

انھوں نے بڑی بے خوفی و دلیری سے اپنے عزیز اسلام پر قربان کیے ،
ان کے پاس جو کچھ تھا اسے اسلام کی زندگی پر نچھاور کر دیا ——
جبکہ دوسروں نے انھیں امکانات سے عیش و عشرت کی
راہیں نکالیں —— ،

عورتیں رحم و نرم دلی میں مشہور رہیں ۔ اسی وجہ سے وہ بڑی بڑی مہمات؛ خاص کر جنگی معاملات میں بہت کم نظر آتی ہیں ۔ مگر تاریخِ کربلا کی خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ بہادری کے مظاہرے کیے ۔

انھوں نے ثابت کر دیا کہ تیر و سناں کی اذیت اٹھا سکتی ہیں ،
مگر انسانیت کے پیغام اور اپنی ذمہ داری سے دست بردار نہیں ہو سکتیں ۔

وہ دلیر تھیں ، خاص طور پر زندگی کی کشمکش اور اس معرکۂ عظیم ، عین رنج و دشواری میں ، عین اس عالم میں کہ دل پر داغ اور دماغ پر بوجھ مگر نصب العین پر ڈٹی ہوئی اور میدان میں قدم جمائے ہوئے آگے بڑھتی رہیں ۔

ہمیں ان کی پیغام رسانی کے مرحلے میں کسی طرح —— ،
خوف کے آثار نظر نہیں آئے —— ؛
بھوک اور پیاس بھی ——
انھیں مقصد سے منحرف نہ کر سکی —— ،

موت کے مقابلے میں ان کا کردار

جو موت سے نہ ڈرے وہی بہادر ہے۔ وہ اپنے مقصد و ہدف کی راہ میں رُکتا نہیں ہے۔ ایسے افراد موت کو ایک عام سی چیز اور قابلِ برداشت مرحلہ سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں موت گزرگاہِ زندگی میں ایک پُل ہے

جس کے اس پار وسیع و عریض دنیا ہے ——

جسے فنا و زوال نہیں ——

وہ سوچتے ہیں ——

مرنے کے بعد دوسری دنیا میں نیک اور پاک لوگوں کے لیے مکمل سکون اور بے مثال راحت و آرام نہیں —— ؟!

پھر صورتِ حالات بزدل اور بے وقار شخص کی طرح کیوں رکھیں؟ جس چیز کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ ہم سب کو جھپٹ لے گی، ہم اس سے کیوں ڈریں، کیوں بھاگیں؟

انھوں نے موت کو حقیر کر دیا۔ اسے چھوٹی اور کم مرتبہ چیز بنا دیا ——

جو عورت اپنے شوہر یا فرزند کی موت کے بعد خیمے کا بانس اٹھا کر دشمن پر حملہ کرنے جھپٹے ——

یقیناً وہ جان پر کھیل چکی ہے —— وہ موت سے مانوس ہے —— وہ قتل ہونے سے خوف زدہ نہیں ——

کیونکہ اسے معلوم ہے کہ مقابلہ میں وار بھی پڑتا ہے۔ دشمن پر عمود کی چوٹ لگے گی اور اس کے جواب میں قتل ہونا بھی ممکن ہے —— اس خاتون کے ذہن میں یہ سب کچھ تھا۔ وہ موت کو کسی شمار و قطار

ییں جانتی ہی نہ تھی۔

ان خواتین نے صبر و تحمل کے یہ مرحلے سفر، بلکہ آغازِ سفر سے پہلے، اپنے ائمہؑ کے کردار میں دیکھے تھے۔ شبِ عاشور کربلا میں تو یہ حقائق واضح ترین شکل میں سمجھے اور غیروں کو سمجھانے کی قابلیت پیدا کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے رفیقوں سے بات کرتے ہوئے موت کو پُل سے تعبیر کیا اور فرمایا تھا کہ:

"پُل سے اُس طرف جاودانی نعمتیں ہیں ——

ان نعمتوں تک رسائی کا طریقہ یہی ہے کہ ——

تن بدن سے گزر جاؤ۔"

جن لوگوں نے صنفِ نسواں کو کمزور، بزدل، سست، متزلزل، پیمان شکن اور فراری، ڈگمگانے والی اور سپردگی کا جذبہ رکھنے والی صنف مانا ہے، انھوں نے اس قسم کی خواتین کے بارے میں غفلت برتی ہے کیونکہ ان عورتوں نے مقابلوں میں وہ استقامت، توانائیِ قلب اور جرات دکھائی ہے کہ اس کی مثالیں مَردوں میں بھی کم نظر آتی ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ طویل زندگی میں عورت نے بردباری و تحمّل کے ساتھ کسی غیر معمولی مشن کو انجام تک کم ہی پہنچایا ہے۔

صرف خواتینِ کربلا اس سے ماورا ہیں ——!

ماضی کے برخلاف بلکہ حال میں بھی یہی عظیم خواتین ہیں جنھوں نے بلند ترین روحانیت کے ساتھ، فوق العادت قوتِ مقابلہ کا مظاہرہ کیا۔ ایسا مظاہرہ جس کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔

وہ بے شک ناتواں تھیں مگر چھوٹے چھوٹے مصائب و مشکلات کے

اٹھانے میں ـــــــ مگر سنگین حالات سے مقابلہ کرنے اور صبر آزما امتحان جھیلنے میں بڑی صاحبِ استقامت تھیں۔

دراصل زندگی اور تحریک دونوں کے مقصد ان کے نزدیک طے شدہ تھے۔ وہ کشمکشِ حیات کے میدان میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتی تھیں۔ انھوں نے خلوصِ نیت اور عزیمتِ استوار کے ساتھ ایسی جد وجہد کی جو خود مثال و نمونہ بن گئی۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس موقع پر ایسی عورتیں بھی تھیں جو سکون کا ٹھکانا اور امن کی جگہ چاہتی تھیں۔ وہ میدانِ کارزار سے دوری اور پرسکون منزل کی تلاش میں تھیں،

مگر یہ عورتیں بہت کم تھیں ـــــــ

انھیں معرکہ کی اس قدر سنگینی کا اندازہ نہ تھا۔ انھوں نے میدانِ جنگ کی صورت ہی نہ دیکھی تھی ـــــــ

وہ حقائق سے بے خبر تھیں ـــــ اسی لیے ان پر کسی کی نظر بھی نہیں جاتی ـــــــ

فرائض کی تکمیل

یہ خواتین آزاد تھیں، آزادی کا مطلب ان کے نزدیک انسانیت کے ساتھ آزادی تھا۔ اپنی ذمہ داری و منصب کو سمجھتی تھیں ـــــــ

ذمہ داری ایسی جس کی بدولت آبرومندانہ طویل زندگی فرد اور معاشرے کو حاصل ہو ـــــــ

عورتیں عموماً مزاج کے اعتبار سے مردوں سے زیادہ آرام و سکون کی

گرویدہ ہوتی ہیں اوران کے لیے گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔ عین اس عالم میں کہ دنیاوی تعلقات و روابط میں الجھی ہوئی تھیں ان خواتین نے اپنے سنگین فرائض کو انجام دینے میں سب کچھ قربان کردیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی چیز کی مالک ہی نہ تھیں ——

اس قدر بے پروا ——— !

کہ نہ تیر کی فکر نہ تلوار سے ڈر —— نہ موت کا خیال۔

جب انسان کسی ذمہ داری کے احساس میں ڈوب جائے تو اس کا عالم یہی ہوجاتا ہے —— وہ مقصد کے علاوہ سب کچھ فراموش کردیتا ہے۔

حق کی حفاظت عورت، مرد دونوں پر واجب ہے۔ جب مردوں کی جدوجہد شرک کو شکست دینے میں کافی نہ ہو تو پھر خواتین پر شرعی ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے کہ وہ میدان میں نکلیں ———

ان خواتین کو یہ ذمہ داری معلوم تھی اسی کے نتیجہ میں انھوں نے شجاعت کا مظاہرہ کیا ———،

ان کی نیت، رضا و خوشنودئ خدا حاصل کرنا تھی —— کوئی ٹائیٹل لینا یا شہرت منظور نہ تھی۔

ٹھیک ہے، انھیں بچوں کی پرورش کرنا تھی، وہ گھر میں رہ کر مستقبل میں ہونے والی بڑی شخصیتوں کی تعمیر کرسکتی تھیں، مگر یہ کام اس وقت انجام دیتیں جب اس سے بڑا کام سامنے نہ ہوتا ———

کام بھی لمحوں میں ختم ہونے والا،

جس کے لیے وقت کم اور بہت ہی کم تھا —— اور جب دین و مذہب خطرے سے دوچار ہو تو پھر دوسرے معاملات و مسائل کی

حیثیت کیا رہ جاتی ہے ؟

ان خواتین نے اپنی ذمہ داری ادا کرتے وقت لوگوں کو فرائض انجام دینے کے طریقے سکھائے ـــــ اور ـــــ اسلامی اخلاق و آداب سے آگاہی بخشی ۔ انھوں نے بتایا کہ ـــــ

ذات اور افراد ـــــ

فرد اور معاشرے کو آزادی دلانے کے لیے کس حد تک کوشش کی جاسکتی ہے ـــــ

اسی پس منظر میں ان خواتین کو ظالموں کے تسلط سے آزادی دلانے والوں کا پیش رو اور رہنما مانا جاتا ہے ۔

نئے سنگِ میل

ان خواتین کی شجاعت آفرینی کے سلسلے میں یہی کافی ہے کہ ان کی کارگزاری اور دلیری نے ماضی کے بڑے بڑے معرکوں اور مردانِ عہد کو تحت الشعاع کردیا ۔

دنیا کا کوئی انقلاب اتنی مختصر جماعت اور دنیا کے اہم ترین مقامات سے اتنی دور زمین پر رونما نہیں ہوا ـــــ پھر اتنی وسعت اور اتنا پھیلاؤ اور اتنا زیادہ اثر اور اتنا زیادہ فائدہ کسی واقعہ سے اٹھایا بھی نہیں گیا ۔

اس تاریخ میں عورت نے نئے مشن اور نئے پیغام کی نشان دہی کی جوش آفرینی اور شجاعت آموزی کی اعلیٰ یادگار قائم کی ۔

ان خواتین نے اپنے شہیدوں کی لاشوں ، اپنے قاتل دشمنوں کے سامنے کیا موقف اختیار کیا ؟

انھوں نے کس بے باکی و بے خوفی سے راستہ طے کیا ؟

ان کی راہ و روش ، ان کے زخمی دل ہونے کے باوجود دلیرانہ

اندازِ گفتگو بھلا بھلانے کے لائق ہے ـــــــ ؟

ان باتوں کو کون بھلا سکتا ہے ـــــــ ؟

ان کی ہمت آفرینی کا اندازہ وہاں ہوتا ہے جہاں یہ خواتین اپنی ذمہ داری پوری کرتے وقت اپنے وجود کو فراموش کرکے مقصدیت میں فنا ہو گئی تھیں، اس حالت میں ان کا ہر اقدام تاریخِ حیاتِ خواتین کا ایک سنہرا ورق بن گیا۔

انقلاب کو دوام بخشنے کی بات

تاریخ عاشورا میں خواتین نے ایسی کھیتیاں تیار کیں جن کی فصلیں آج تک کاٹی اور جن کے پھل پھول اب تک ذخیرہ کیے جا رہے ہیں۔

یہ خواتین واقعۂ عاشورا سے پہلے میدانِ زندگی میں آئیں اور عاشورا سے جو کچھ ملا اسے پوری قوت سے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتی رہیں۔ پھر مکمل خود اعتمادی اور امیدِ کامیابی کے ساتھ بلند آواز سے پکاریں،

توضیح و تفصیل بیان کی ـــــــ

پھر اس کے بارے میں فیصلے اور نتائج سمجھائے ـــــــ

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت کے بعد دشمن یہ سمجھے کہ:

انقلاب اور تحریک کا خاتمہ ہو گیا ـــــــ

اس غلط فہمی کی بنیاد پر وہ گیارہویں کی رات کو بڑے اطمینان سے سو گئے۔ انھیں مقابلے کا وہم و گمان نہ تھا۔ دشمن بھول گیا کہ ـــــــ ،

معرکہ ابھی ابھی ہوا ہے۔ یہی وقت اس کی اشاعت اور پروپیگنڈے

کا ہے ـــــــــــ

دشمن کو بیس سال ، بلکہ نصف صدی کے معاملات و مسائل کی جواب دہی کے لیے تیار رہنا چاہیے ۔ چہ جائیکہ آرام کی نیند سونا ۔

مگر بھلا یہ خواتین، دشمن کو فرصت دے سکتی تھیں کہ ان کی جد و جہد یہیں پر ختم ہو اور ان کی قیمتی جانیں یوں هدر و رائگاں جائیں ؟

خواتین نے دشمن کی بے خبری سے فائدہ اٹھایا اور کربلا کا پیام گھر گھر اور ہر سننے والے کو پہنچا دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ـــــــ

کربلا سے کوفے ـــــــ کوفے سے شام ـــــــ شام سے مدینے ـــــــ اور مدینے سے دوسرے مقامات ...... مصر...... تک ۔ واقعات کے چرچے ہونے لگے ۔

اس مشن اور اس پیام رسانی کی بدولت بات یہاں تک پہنچی کہ بعد میں رونما ہونے والے انقلابات کی بنیاد " کربلا " بن گئی ۔

ایک کے بعد دوسرا انقلاب آنے لگا ۔

بنی امیہ و بنی عباس کی زندگی تیرہ و تار ہو گئی اور ان کی جڑیں اکھڑ گئیں ـــــــــ !

امام علیہ السلام کی تحریکِ انقلاب ، مذکورہ خاکے ، منصوبے اور طریق کار کی وجہ سے اہم ترین " آئیڈیالوجی " کے مطلوبہ ہدف تک پہنچ گئی ۔

آئیڈیالوجی کا خلاصہ تھا :

" قانونِ خداوندی و نظامِ الٰہی کے خلاف ہر طاغوتی نظام سے ٹکر اور اس کام کے لیے عوام کو بیدار کرنا اور تیار کرنا ۔ "

ان خواتین نے جہاں اور جب ضروری سمجھا واقعۂ کربلا کی تبلیغ کی ۔

بے خبر افراد کو حقائق بتائے کہ جس زمانے میں نشر و اشاعت کے وسائل ناپید تھے باہمی ارتباط معاشرے کے اختیار میں نہ تھا، واقعات و اخبار خاص طریقوں اور مخصوص انداز ہی سے شائع اور ایک دوسرے کو بتائے جا سکتے تھے۔ کبھی تو انتہائی اہم خبر بھی ایک دو سے زیادہ افراد کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔

ان خواتین کی قوتِ برداشت

ان خواتین کے کردار و عمل میں جس بات سے تعجب اور وزن بڑھتا اور اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے وہ ان کی قوت برداشت و صبر و تحمّل ہے۔ ان خواتین نے کس عاجزی و انکساری اور تحمل و استقامت سے فداکاری دکھائی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ انھوں نے کیسے نازک حالات میں اپنے بچّوں کو مشکلات جھیلنے اور تحمل کرنے کی تعلیم دی ——

اور ——

انھیں دشمنوں کی دی ہوئی روٹی اور کھجور کھانے ——،

ان کے دامن پکڑنے —— اور اپنے تئیں حقیر و ذلیل

ظاہر کرنے سے روکا —— !

دشمن، کھجور اور روٹی بچوں کو دیتے تھے ——

ظاہر ہے کچھ بچّوں نے لقمہ منہ میں رکھا ہوگا۔ جب ہی تو عورتوں نے انگلی سے لقمہ نکال کر بچّوں کا بھوکا رہنا قبول کیا ——

مگر صدقے کی کھجور یا روٹی حلق سے نہ اُترنے دی۔

شہادت کے بعد دشمنوں نے عورتوں کے لیے پانی بھیجا ——

سب پیاسے تھے ـــــــ تین دن سے پانی کو ترس رہے تھے،

کیا برداشت و صبر تھا کہ نہ خود پانی پیا نہ بچوں کو پیاس بجھانے کی اجازت دی۔

ہاں ـــــــ،

سب نے پانی پیا ـــــــ مگر جب حضرت زینبؑ و امام زین العابدین علیہ السلام نے حکم دیا۔

کیا صبر و تحمل تھا ـــــــ

شہیدوں اور پارہ پارہ لاشوں کے سامنے کھڑی تھیں۔

ان کو دیکھ کر دل کانپ رہے تھے اور بے ساختہ آنسو رواں تھے، مگر رضاء خدا کے خلاف کوئی حرف اور مشکلات کی شکایت زبان پر نہ تھی۔

پروردگار!

یہ کیا ہو گیا ـــــــ کاش یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی......

واقعاً ان خواتین کا صبر و تحمل معجزہ تھا ـــــــ گرفتاری اور طویل سفر میں اکثر و بیشتر بندھی اور رسن بستہ رہیں۔ یا بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھائی گئیں، مگر انھوں نے دشمن کو اشارہ تک نہ کیا جس سے وہ ان کی آسائش کا انتظام کرتا ـــــــ انھوں نے دشمن کی حمایت میں ایک بات ایسی نہ کی جس کے جواب میں وہ ان پر مہربان ہوتا۔ ان کی عزتِ نفس و خودداری اسی طرح مضبوط اور دشمن کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح استوار رہیں۔

ـــــــ ـــــــ

بنی ہاشم کی عورتیں انھیں ________

(امامؑ کو)

رو رو کر عراق جانے سے اس لیے روک رہی تھیں ____

کہ ________

وہ سب حضرت کو اللہ کی امانت جانتی تھیں۔

انھیں فکر تھی ____

کہ ________ حضرت قتل نہ کر دیے جائیں!

وہ بنی امیہ کو اللہ کا باغی سلطان جانتی تھیں

انھیں بنی امیہ سے یہی امید تھی ____

کہ ________

وہ امانت خدا کو ضائع کر دیں گے۔

یہ بیبیاں شہادت سے خوفزدہ نہ تھیں مگر ان کا دل یہ چاہتا تھا

کہ امامؑ کی زندگی بچ جائے ____

اور ________

لوگ آپ سے فیض یاب ہوتے رہیں

یہ بات بجائے خود ان کی معرفت اور خدمت دین کی دلیل ہے۔

پانچواں حِصّہ
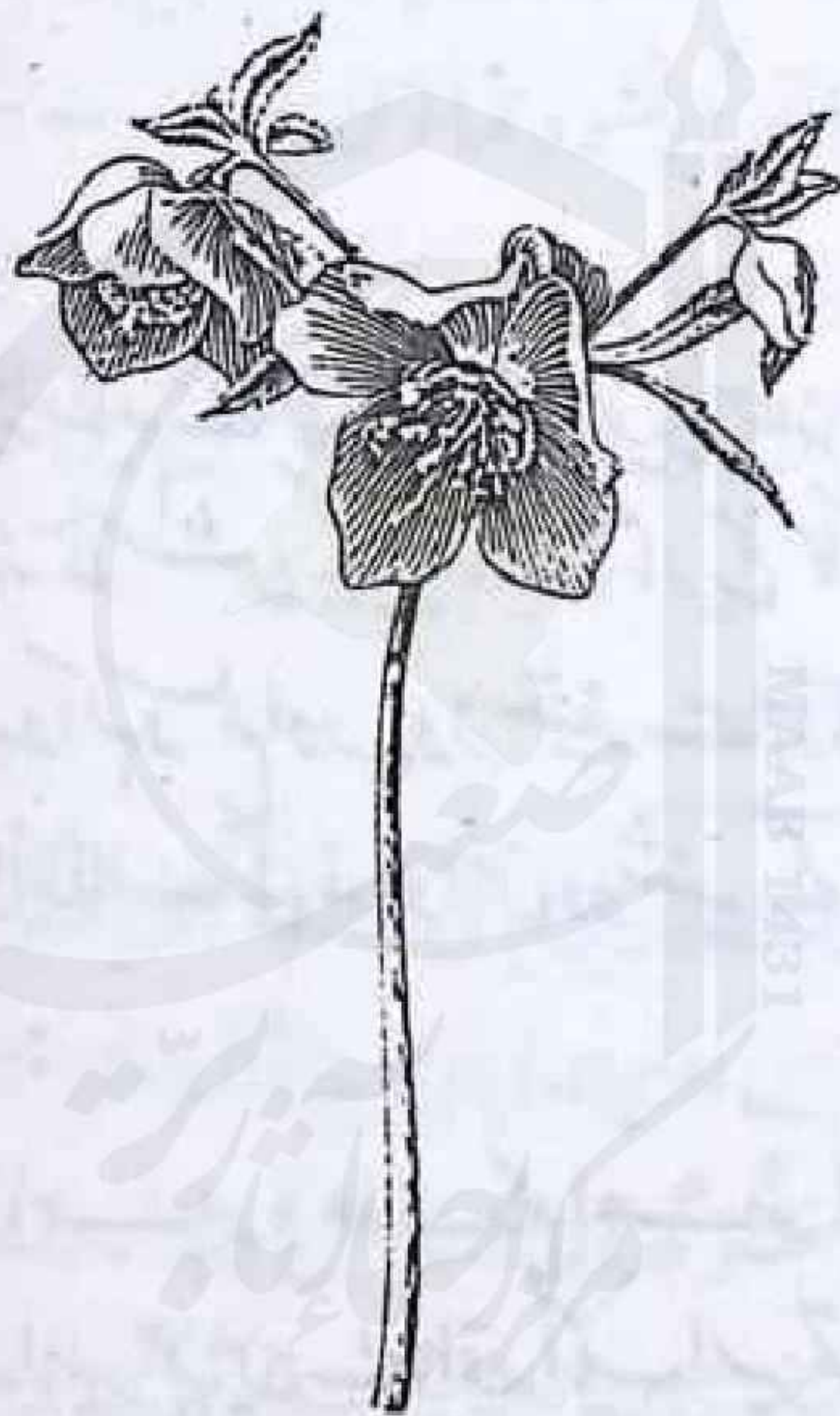
مدینے سے کربلا تک

امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کی تاریخ حضرت کی عمرِ مبارک کے آخری چھ ماہ ہی میں نہ تلاش کیجیے، اس تاریخ کا آغاز روزِ وفاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روز سقیفہ سے ہوتا ہے۔

اس تحریک وانقلاب کی بنیاد اس دوشنبہ کے دن پڑی جب کسی نے نعرہ لگایا:

"منا امیر و منکم امیر۔"

ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے۔

یعنی خلافتِ اسلامی کو مقامی اور وراثتی چیز مان لیا —— پھر اس نظریے کو عملی بنانے کی مہم شروع کی گئی۔

زینبؑ، اسلام کی خاتونِ عظیم، واقعۂ کربلا کی مشہور بنیادی رکن، اسی خونین عاشور کی شام کو، اپنے شہید بھائی کے سرہانے بیٹھی کہہ رہی تھیں:

"بابی ...... بابی من فسطاطہ
یوم الاثنین نھبا۔"

"میں قربان ...... اس پر قربان جس کا خیمہ
پیر کے دن لوٹا گیا۔"

ایک عورت کا فکری معیار دیکھیے ـــــ معرکۂ کربلا کی گہرائی اور اس تحریک کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کا انداز دیکھیے ـــــ
کیسا استعارہ اور کیا لطیف پیرایہ ہے ـــــ!

اسی بنیاد پر واقعہ کی نشو و نما اسی وقت سے شروع ہوئی اور پچاس سال میں خد و خال درست ہوئے، ۶۱ھ میں وہ بھیانک صورت اختیار کی کہ سماج پر گہرے اثرات ڈالنے کی قوت حاصل کر لی۔

امامؑ کے سفر کا مسئلہ

معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی اور کرسیٔ خلافت پر بیٹھنے کی بدعت نے اسلام میں آمریت کی نئی طرح ڈال دی۔ یہ بات پہلے زیرلب تھی اب اس پر بحث و گفتگو گھروں سے نکل کر بازاروں میں آچکی تھی۔

بیعت کے موضوع پر بات چیت عام تھی اور لوگ منتظر تھے کہ اسلامی دنیا کے نامور لوگ یزید کے ہاتھ پر کب ہاتھ رکھتے ہیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ بزدل اور دنیا دار لوگ گردن خم کر دیں گے اور دین کے ضامن و بہادر آدمی اس غلط مطالبہ کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔

امام حسین علیہ السلام دوسرے گروہ میں تھے ـــــ
بے مثال ـــــ!

حضرت سے اس لمحے بیعت کا مطالبہ کیا گیا جب صورتِ حال پوری طرح سے انقلاب کے لیے سازگار نہ تھی۔ ضروری انتظامات مکمل نہیں

ہوئے تھے، جن لوگوں کو اس انقلاب میں موجود ہونا چاہیے تھا وہ ابھی نہیں پہنچے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیائے اسلام اس معاملے کی نزاکت سے بڑی حد تک بے خبر تھی۔

امام علیہ السلام نے مدینے سے مکے اور وہاں سے عراق کا سفر کیا۔ مدینے کی انتظامیہ اور سرکاری مشنری کے ہاتھ ڈالنے سے پہلے، صبح سویرے بے اعلان وخبر، چند افراد ساتھ لیے اور مدینہ چھوڑ دیا۔

یہ اقدام آسان اور معمولی نہ تھا ـــــــ اس کے لیے غیر معمولی بصیرت و عزیمت درکار تھی، جس کے حسینؑ مالک تھے۔

عورتیں، بچے اور خاندان کے چند افراد ہمراہ تھے۔ آپ کے اقدام کا چرچا ابھی تک زبانِ زدِ عام نہیں ہوا تھا۔

کچھ لوگ یہ سمجھے کہ امامؑ سیاسی طور پر یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتے۔ سکون اور امن یا یزید سے بچنے کے لیے خانۂ کعبہ میں پناہ لینے چلے گئے ہیں۔

ممکن ہے امامؑ کے ہمراہ جانے والی خواتین میں بھی کچھ عورتوں کو امامؑ کے منصوبے کی خبر نہ ہو۔ ان کے خیال میں بھی سفر اور ترکِ وطن کا سادہ سا تصور ہو۔

امامؑ کی شہادت سے باخبری

امامؑ جانتے تھے کہ اس سفر کی انتہا انقلاب اور اس کے نتیجے میں شہادت نصیب ہو گی۔ حضرت کو علم تھا کہ طرفدارانِ یزید کے ہاتھوں غیر متوازن جنگ کے بعد قتل ہوں گے۔ آپ علم و آگاہی کے ساتھ اس اقدام کے لیے

تیار ہو کر بڑھے تھے۔

اس علم و آگہی کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے۔

—— سفر سے پہلے ——، رات کو تربتِ نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الوداعی حاضری۔

—— اسی رات، اللہ سے مناجات اور اپنے نانا سے راز و نیاز۔

—— اسی حالت میں آپ کو خواب میں نانا کی زیارت اور حضرتؐ سے اجازتِ سفر کا ملنا،

—— قطعِ راہ اور راستے میں لوگوں کو حالات سے مطلع کرنا،

—— یزید اور بنی امیہ کے اقتدار پر تنقید،

—— مکے میں حضرت کا شاندار خطاب اور عوام سے تعاون کی اپیل۔

یہ سب باتیں حضرت کی آگاہی کی نشاندہی کرتی ہیں۔

حضرت نے یہ راستہ منتخب فرمالیا —— مگر کچھ لوگ، اپنے دور کے —— نام نہاد —— سیاست داں —— تجربہ کار اور اپنے دور کے نامور، آگے بڑھے، حضرت سے ملے، آپ کو اس اقدام سے روکا۔

ان کا خیال تھا کہ ——

یہ قدم ایسا ہی ہے جیسے تلوار کی دھار پر گھونسا مارنا۔

امامؑ کا طریقِ کار

امامؑ جانتے تھے کہ ان کے ساتھی مارے جائیں گے اسی بنا پر انھیں صورتِ حال سمجھا کر اختیار دیا:

" من کان باذلا فینا مھجتہ ....

"جو شخص اپنا خونِ جگر بہانے پر تیار ہو وہ ہمارے
ساتھ آئے ...."

لہٰذا جو لوگ انسانی معاشرے کے دکھ درد کا پورا پورا احساس رکھتے
تھے، جو لوگ مسائل کی تہہ کو پہنچ کر انھیں حل کر سکتے تھے، وہی آپ کے
ساتھ شریکِ سفر ہوئے تھے۔

پھر ان ہمراہیوں کو امامؑ منزل بہ منزل پرکھتے بھی رہے۔

امام باخبر تھے کہ انقلاب کے آخر میں خواتین کو ذمہ داریاں سونپنا ضروری
ہے وہی تمام حقائق عوام تک پہنچائیں گی۔

حضرت باخبر تھے کہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت
کے بعد عوام ایک ظالم حکومت کے شکنجے میں جکڑ جائیں گے، انھیں سانس
لینے اور دم مارنے کا حق نہ رہے گا لیکن ایسی شیر دل خواتین ہیں جو ـــــ
ـــــ حقائق کا اعلان کر سکتی ہیں ـــــ
اور ـــــ حکومت کی گرفت کے باوجود وہ رازافشا کریں گی
سنسر شپ کو توڑیں گی ـــــ

واقعاً ایسی صلاحیت رکھنے والی خواتین ـــــ اور ـــــ اس منصب
کی اہل بیبیاں آپ کے ہم رکاب تھیں۔

دوسرا زاویہ یہ بھی دیکھیے کہ امام تمام زن و فرزند لے کر چلے کہ دشمن
کے لیے عذر کی گنجائش نہ رہے۔ اسے معلوم ہو کہ امامؑ اپنی پوری قوت
اکٹھا کر کے میدان میں اترے ـــــ انھوں نے بھرپور جدوجہد
کے ساتھ استقلال کا مظاہرہ کیا۔

اس طرح دشمن سے مقابلہ کا رخ معین ہو گیا ـــــ

بات الجھنے اور جھگڑنے کی نہیں۔ مسئلہ تھا انقلاب کے ملحے اس
کی تکمیل کا ـــــ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب مرحلے اپنی غیر معمولی حرکت
آفرینی کے ساتھ طے ہو گئے۔

تکنیک اور اس کی قیمت

ہم جانتے ہیں ـــــ امامؑ کا مدینے سے مکے، خاص طور پر مکے
سے عراق جانا، معمولی اور سرسری کام نہیں تھا۔ بڑے بوڑھوں ـــــ
ابن زبیر ـــــ ابن عمر ـــــ محمد حنفیہ جیسے لوگوں نے
امامؑ کو اس اقدام سے روکا۔ بعض لوگ تو نصیحت سے بڑھ کر ملامت
تک پہنچے۔

ایسے حالات میں عورتوں اور بچوں کو کیوں لیے جا رہے ہیں؟
پھر یہ بھی دیکھا کہ امام علیہ السلام نے مشورہ دینے والوں کی باتوں
کو غیر اہم قرار دیا اور سب کو نظر انداز کر دیا ـــــ اہل بیتؑ کو
شریک سفر کیا ـــــ

سوال یہ ہے کہ یہ اقدام مفید تھا یا مضر ـــــ؟
تحقیق سے ثابت ہو چکا کہ امام اپنے ساتھ خواتین کو لانے میں کسی غلط فہمی
کا شکار نہ تھے۔

ہم نے دیکھا کہ وہ عظیم پیام کی ذمہ دار بنیں ـــــ انھوں نے مقصدِ
شہادت و انقلاب کی نگہداشت کی۔ بلکہ تحریک کو جاری رکھنے اور اس کے
نتیجہ خیز ہونے کے لیے انھوں نے زمین ہموار کی ـــــ
فرض کیجیے، یہ خواتین اپنے بھائیوں یا شوہروں کے ساتھ نہ آتیں

مکے یا مدینے ہی میں رہتیں، تو بتایئے،

وہ وہاں کیا کرتیں ———— ؟

جب تک ان کے وارث سفر میں رہتے، اور ان کی خبرِ شہادت تک یہ عورتیں اپنے گھروں میں بے کار بیٹھی رہتیں!۔ دنیا کی عورتوں کی طرح عام زندگی گزارتی رہتیں۔ جس دن خبرِ شہادت ملتی اس دن رو بیٹھتیں ———— بات ختم ہو جاتی۔

امامؑ انھیں ہمراہ لے گئے، انھوں نے تاریخ کربلا اور سانحے کے تمام اجزا چشم دید گواہ کے طور پر سب کو بتائے۔

اسی کے ضمن میں اموی اقتدار کے نقائص، ان کی ذلیل اور حقیر سیاست، ان کی رفتار و گفتار و کردار سے عام آدمیوں کو باخبر کیا،

اور چونکہ زخم کھائے ہوئے تھیں اس لیے ان کی آواز میں درد و سوز زیادہ تھا ———— ان کی آہ میں تاثیر اور لہجے میں گرمی و دلکشی تھی، لہٰذا جس نے انھیں دیکھا ———— جس نے ان کی بات سنی اس کے دل پر نقش بیٹھ گیا۔

رکاوٹیں

آپ نے پڑھا ہے کہ متعدد عزیزوں نے امامؑ کو سفر سے روکا، بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے جانے کو منع کیا ———— گویا سب سمجھتے تھے کہ سفر کا انجام موت یا شہادت ہے ————

سفر ملتوی کرنے کا مشورہ دینے والوں میں سے کچھ حضرات نے منت و سماجت بھی کی۔

۱- مرد :

مردوں میں بہت سے اپنوں اور بیگانوں نے سفر سے روکا۔ ان میں سے چند نام مشہور ہیں :

عبداللہ بن عمر ـــــ عبداللہ بن زبیر ـــــ عبداللہ بن عباس ـــــ خود آپ کے بھائی محمد حنفیہ ـــــ

ان لوگوں نے پہلے تو نصیحت کی، اس سفر کو نظر انداز کر دیجیے، اس سفر کا انجام خوشی نہیں ہے، اس کا نتیجہ موت اور شہادت ہے۔

جب یہ دیکھا کہ حضرت مشورہ قبول نہیں کر رہے ہیں تو پھر یہ کہا :

اچھا تو کم از کم بچوں اور عورتوں کو نہ لے جائیے ـــــ ہمیں ڈر ہے کہ دشمن آپ کو شہید نہ کر دیں اور پھر ان بے چاری عورتوں کو بھیانک مناظر دیکھنا پڑیں۔

کچھ دوست مشورہ کے طور پر امامؑ کے ساتھ بیٹھے اور رائے دی :

" آپ کسی تحریک یا جدوجہد کا خیال چھوڑ دیں، خاموش بیٹھے رہیں۔

امامؑ نے فرمایا :

" میں ذلت کے سائے میں سر جھکانے یا بے تدبیری کے عالم میں دشمنِ اسلام کے چنگل میں جانے والا نہیں ہوں "

۲- خواتین :

بنی ہاشم کی عورتوں نے امامؑ کے سفر کو بہت بڑا قدم اور خطرناک کام تصور کیا۔ جب امامؑ روانہ ہو رہے تھے اس وقت کچھ عورتیں روتی ہوئی

بڑھیں اور راستہ روکنے ، سفر سے باز رکھنے کے درپے ہوئیں ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان خواتین نے ایک میٹنگ کی، سب مل کر بیٹھیں اور واقعہ کی سنگینی پر تبادلۂ خیالات ہوا ۔ امامؑ بھی اس میں شریک ہوئے اور سب کو اپنا فیصلہ سُنا کر رونے اور گھبرانے سے منع کر کے ہدایت فرمائی اور حکم دیا ـــــ اب اس کا چرچا نہ کریں ۔

امامؑ کی ایک پھوپھی نے کہا :

" ہاتف سالارِ کارواں اور کارواں کے بارے میں
کہہ رہا تھا کہ موت ان کا استقبال کر رہی ہے ۔"

امامؑ نے تردید یا تصدیق کیے بغیر انھیں تسلی دے کر بات ختم کر دی ۔

بنی ہاشم کی عورتیں انھیں رو رو کر عراق جانے سے اس لیے روک رہی تھیں کہ وہ سب حضرتؑ کو اللہ کی امانت جانتی تھیں ۔ انھیں فکر تھی کہ حضرت قتل نہ کر دیے جائیں ۔

وہ بنی امیہ کو اللہ کا باغی سلطان جانتی تھیں ـــــ
انھیں بنی امیہ سے یہی امید تھی کہ وہ امانتِ خدا کو ضایع کر دیں گے ـــــ

یہ بیبیاں " شہادت " سے خوفزدہ نہ تھیں ـــــ مگر ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ امامؑ کی زندگی بچ جائے اور لوگ آپ سے فیض یاب ہوتے رہیں

یہ بات بجائے خود ان کی معرفت اور خدمتِ دین کی دلیل ہے ۔
امامؑ ان کو سمجھاتے اور بتاتے رہے کہ اس کے علاوہ اب کوئی چارہ نہیں ،

سفر کرنا ہی ہے ——

۳۔ امِّ سلمہ رض:

حضرت امّ سلمہ، زوجۂ نبیؐ اور ام المومنین تھیں۔ ان کو امام حسینؑ سے محبت تھی اور وہ انھیں مادر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سابقہ باتوں اور حضرتؐ کی اطلاعات کی روشنی میں وہ پیش بینی کر رہی تھیں کہ وہ کربلا میں بے وطن و تنہا شہید کر دیے جائیں گے —— چنانچہ جب انھیں سفر کی خبر ملی تو امامؑ سے فرمایا:

"پیارے! عراق جا کر مجھے دکھی نہ کرو۔ میں نے تمہارے نانا سے سُنا۔ حضورؐ کہتے تھے: میرا حسینؑ کربلا میں مارا جائے گا۔"

امامؑ نے جواب دیا:

"اماں، مجھے معلوم ہے، میں کربلا میں قتل کیا جاؤں گا خاندان دشمنوں کے ہاتھوں قیدی بنے گا۔ مگر یہ راستہ طے کرنا ہے اور اسی میں دین کی بھلائی ہے۔"

اصرار

سفر سے روکنے کے لیے مختلف افراد نے جو کچھ کیا اس کے مقابلے میں کچھ افراد اصرار کرنے والے بھی تھے، خصوصاً خواتین ——

جناب زینبؑ نے پردے کے اندر سے جب ابن عباس کی گفتگو سُنی وہ کہہ رہے تھے؟

"اچھا، تو زینبؑ و امِ کلثوم اور دوسری خواتین کو
نہ لے جائیے ———"

زینبؑ نے فریاد بلند کی اور کہا :

"ابنِ عباس! آپ بھائی کو بہن سے جدا کرنا چاہتے ہیں؟
نہیں ——— ،
خدا کی قسم میں ہرگز حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔"

اسی قسم کی باتیں، زوجۂ امام حسینؑ ، رباب ، حضرت کی دختر اور عاشقِ راہِ حسینؑ خواتین سے سُنی گئیں۔

ساتھیوں کا انتخاب

امامؑ نے یونہی خواتین کو ہمراہ نہیں لیا ——— خواہ وہ گھر کی عورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔

میرا گمان ہے کہ حضرت نے اس مرحلے میں اسی طرح ایک بڑے انتخاب کا اہتمام فرمایا جیسے شبِ عاشورا اپنے اصحاب کا امتحان لے کر انصار کو چُنا تھا۔ حضرت نے ان عورتوں کو چُنا جو متحمل مزاج، بردبار، بے خوف اور نڈر تھیں ——— ،

جنھیں واقعاتِ شہادت کی خبر تھی ——— جن کی اخلاقی جرأت وجسارت کی سطح بلند تھی۔

امامؑ نے ان خواتین کو چُنا جو نجی زندگی کے دائرے سے قدم آگے بڑھا سکیں ——— جو معاشرے کے خدمت گزاروں کی صف میں کھڑی ہو سکیں ——— ،

ایسی خواتین ـــــ، جو دنیائے اسلام کی عظیم مقرر و خطیب تھیں ـــــ وہ شہادت اور واقعاتِ شہادت کی تشریح کر سکتی تھیں، عراق اور شام کے بازاروں میں، عوام کو واقعات کی اہمیت سمجھا سکتی تھیں۔

امامؑ نے ان کو چُنا جو اپنی آبرو و عظمت کا دفاع کر سکتی تھیں، جو انتہائی غم و اندوہ کے عالم میں بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہوں ـــــ جو نصب العین کو نہ بھولیں۔

امامؑ نے ان سے وہ خواب بھی بیان کر دیا جو قبرِ انورِ پیغمبرؐ کے سرہانے دیکھا تھا اور خوب اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ یہ وعدہ بہت جلد وفا ہوگا۔

بے خوف سفر

امامؑ مدینے سے مکے اور مکے سے عراق کی راہوں میں ایسی صورتِ حال سے دوچار تھے کہ ہر لمحہ خطرہ ان کو للکارتا تھا۔ حضرت کا خاندان اس سے واقف تھا، ہر روز امکان کہ دشمن یلغار کر کے آجائے اور بیابان میں جنگ شروع کر دے۔

کچھ خیر خواہوں نے حضرت کو مشورہ دیا کہ راستہ بدل لیں اور محاورے کی زبان میں ـــــ خطروں سے بچنے کے لیے بے راہ ہو کر منزل نکل چلیں۔ لیکن امامؑ نے یہ تجویز قبول نہ فرمائی اور حسبِ سابق ثباتِ قدم کا نمونہ بنے رہے۔

اس سلسلے میں اہم ترین نکتہ، خواتین کی مکمل خاموشی و اطمینان ہے، انھوں نے مردوں جیسی کوئی متبادل تجویز یا مشورہ پیش کیا ہو، سننے میں نہیں آیا۔

اس سے اشارہ ملتا ہے کہ ان خواتین کے دلوں میں کیسی جرأت وقوت تھی۔ وہ اپنے معاملات کو روشن دلی واطمینان کے ساتھ روبراہ دیکھ رہی تھیں ـــــــ!

خواتین کی راہ وروش

ان عورتوں کا رویہ اس پوری تحریک میں سکون وسکوت وثبات آفریں رہا ـــــــ!

کل کیا ہوگا ـــــــ؟

یہ سوال ان کے یہاں زیر بحث نہ تھا، وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھ رہی تھیں، ان کا سفر اس شان سے جاری تھا جیسے وہ اپنے شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں کی شہادت کے لیے مضبوط عزیمت کے ساتھ قربان گاہ میں جارہی ہوں۔

ان خواتین کو معلوم تھا ـــــــ ہدف ومقصد کی زمین بڑی سنگلاخ ہوتی ہے۔ اس راہ کو توکّل، ایمان اور عظیم روحانیت کے سہارے ہی طے کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ چھوٹی روحانیت اور لرزتے ایمان کے ساتھ اس راہ سے گزرنا مشکل ہے ـــــــ ان خواتین کو علم تھا کہ ان کے شوہر اور فرزند مارے جائیں گے لیکن اسلام زندہ رہے گا۔ یہ عقیدہ ان کے لیے بڑا اطمینان بخش تھا۔

زندگی سے نیکی کا حصول اور اس راز کا انکشاف کہ سب مرجائیں گے دوام وبقا خدا کے لیے ہے۔ اسی فہم وبصیرت نے انھیں اشارہ کیا اور وہ

بڑی ثابت قدمی سے آگے بڑھیں۔ انھوں نے "پیغام رسانی" کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بڑی خوبی سے اپنی ذمّہ داری انجام دینے کے لیے تیار ہوئیں۔

فاطمۂ زہرا اور ام المومنین حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی بیٹیاں اپنے نصب العین وھدف میں بڑی پختہ عزیمت سے بہرہ ور تھیں کیونکہ ان کی جدۂ ماجدہ اور والدۂ گرامی اسی راہ پر چل چکی تھیں۔ اب ان کے لیے اس دبستانِ فکر وعقیدہ کا پابند ہونا آسان تھا۔ انھیں اس میدان میں مشق و تجربہ (اور وراثتاً علم) حاصل ہو چکا تھا۔

کچھ خواتین کی پریشانیاں

ایک بات اور کہتا چلوں کہ خواتین کے اس گروہ میں خاص طور پر چند عورتیں اثنائے راہ میں امام کے ساتھ ہو گئی تھیں اور کچھ مکے سے ہی شریکِ سفر تھیں۔ یہ عورتیں کچھ پریشان رہیں یا ناخوشگوار حالات دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

ان کے حالات کی بنا پر یہ حق انھیں دینا اور ان کی بے چینی کو معقول سمجھنا چاہیے ——— کیونکہ :

(۱) ——— یہ خواتین کوئی واضح مقصد نہ رکھتی تھیں۔

(۲) ——— ان کے مرد مالِ غنیمت یا منصب ومقام کے خیال سے شریکِ سفر ہوئے تھے خطرات سے دوچار ہونے کا مطلب ان کے فوائد کا خطرے میں پڑنا تھا۔

③ ——— کچھ عورتیں وہ تھیں جو ناز و نعمت میں پلی بڑھی تھیں اور اتفاق سے میدانِ کارزار نہ دیکھ سکی تھیں۔

④ ——— عورتوں میں مردوں کی نسبت رقتِ قلب زیادہ ہوتی ہے۔

⑤ ——— کچھ عورتوں کو اپنے مَردوں کا مستقبل، قتل ہونا تو معلوم تھا مگر اپنا مستقبل، قتل یا اسیری، معلوم نہ تھا۔

البتہ حضرت زینبؑ اور دوسری بلند مرتبہ خواتین کا کام ان خواتین کی حفاظت و دلدہی اور خطروں سے دور رکھنا تھا تاکہ یہ بیبیاں زیادہ نہ گھبرائیں اور اپنی پریشانی سے دشمن کو خوشی کا موقع نہ دیں۔

امامؑ کی طرف سے قبل از وقت خطرے کا اعلان

امام علیہ السلام نے راہ صاف کرنے کی خاطر (ان لوگوں کو جو ممکن ہے بے خبری کے عالم میں یا منصب یا مالِ غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے شریکِ سفر ہونے کا ارادہ کیا ہو) ہر دو تین دن بعد خبردار کرنا ضروری سمجھا اور انھیں بتایا کہ آئندہ اس راہ میں کس قدر مصائب و مشکلات کا سامنا ہوگا۔

مثلاً ایک منزل "بطن عقبہ" میں فرمایا۔

"میں اس سفر میں اپنے تئیں مقتول دیکھ رہا ہوں

......ایک کالے رنگ کا کتا، جس کے بدن پر
سفید نشان ہیں، مجھے ستا رہا ہے۔"

ایک اور منزل پر فرمایا:
"بنی امیہ جب تک میری جان نہ لے لیں گے اس
وقت تک مجھے چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔"

اکثر مقامات پر، طرح طرح کی خبریں سُن کر "اِنَّا لِلّٰہِ واِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ" فرماتے رہے۔

جب سے حُر نے راستہ روکا تھا اس وقت سے اس قسم کی گفتگو زیادہ فرمانا شروع کر دی تھی۔

خطروں کی نشاندہی کے متعدد فائدے تھے۔ مثلاً ساتھیوں کی ثابت قدمی کا مطالبہ کہ جو مرتے دم تک ساتھ رہنا چاہتے ہیں وہی ہمرکاب رہیں۔ دوسرے یہ کہ خواتین کے حوصلے بلند کرنا کہ وہ آہستہ آہستہ مصیبتیں برداشت کرنے کے لیے اچھی طرح تیار ہو جائیں۔

راستے میں ہمرکاب ہونے والیاں

راستے میں قافلے سے کچھ بیبیاں ایسی بھی آ ملیں جو اپنے وارثوں کی شہادت طلبی کا جذبۂ صادق دلوں میں لیے ہوئے تھیں۔ جیسے زہیر بن قین جو عثمانی تھے اور راستے بھر امامؑ سے دور اپنے خیمے لگاتے — اور خوش گزرانی کے دن کاٹتے چلے آ رہے تھے۔ امامؑ نے آدمی بھیج کر انھیں طلب فرمایا۔

زہیر نے امامؑ سے ملنے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔

بیوی نے کہا :

"رسولِ خداؐ کے فرزند آپ کے پاس آدمی بھیج رہے ہیں اور آپ حاضری میں کوتاہی کر رہے ہیں ؟ کوئی عذر و اعتراض ہے تو وہاں جائیے ، ان کی بات سُن کر واپس آجائیے گا ۔ مگر نہ جانا بے ادبی ہے ۔"

اس بی بی نے مجبور کر کے زھیر کو امامؑ کے پاس بھیجا ـــــــ وہ گئے ـــــ اور ـــــ پلٹے تو بیوی کی بات رنگ لا چکی تھی ـــــ یعنی انھوں نے اپنے شوہر کو گروہِ شہداء میں داخل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ۔

یہ اس بی بی کی اپنے شوہر کے لیے سب سے بڑی خدمت تھی ـــــــ !!!

زوجۂ عبداللہ بن عمیر کلبی نے کوفے کے قریب منزلِ "نُخَیلہ" میں ابن زیاد کی فوج کو ادھر ادھر جاتے دیکھ کر پوچھا :

"یہ فوج کہاں جارہی ہے ـــــ ؟

عبداللہ : "حسین بن علی (علیہما السلام) سے لڑنے "!

بیوی نے شوہر سے تمنائے شہادت کا اظہار کیا تو شوہر اس سعادت کے لیے تیار تھا ۔

بیوی : "کیا اچھا خیال ہے ـــــ خدا تمھیں ثابت قدم رکھے ، ہمیں بھی لیتے چلو ؟ "

دونوں آٹھویں کی رات کو کربلا پہنچے اور عبداللہ عاشور کے دن شہادت سے سرفراز ہوئے ۔

دوسری مددگار خواتین

امامؑ کے ہم رکاب اور براہِ راست شریکِ معرکہ ہونے والی خواتین کے ساتھ ان خواتین کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں جو کربلا میں تو حاضر نہ تھیں مگر ان کے کام کربلا والیوں جیسے تھے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ان خواتین میں "طوعہ" کا نام لیا جائے ——— وہ بی بی جس نے کوفے میں حضرت مسلمؑ کو پناہ دی اور جنابِ مسلم نے ایک رات وہاں گزاری۔

یہ وہ وقت تھا کہ سب ساتھ چھوڑ چکے اور ابن عقیل تنہا گلیوں میں پھر رہے تھے۔

سعد کی صاحبزادی " ماریہ " کی خدمت دیکھیے ——— وہ پرخلوص، محبِ اہلِ بیتؑ، جس کے گھر میں منصوبے بنے اور " یزید بن نبیط " ان کے غلام عامر، سیف بن مالک، ادھم بن امیہ یہیں سے مکے اور مکے سے کربلا گئے اور شہادت بھی حاصل کی۔

اس طرح وہ گمنام خواتین جو کربلا کے راستے اور شام کی راہوں میں اسیروں کی خدمت کرتی رہیں ——— یہ عورتیں بھی طاقت بھر امامؑ کے مقصد کو آگے بڑھانے میں معاون و مددگار کہی جائیں گی اور ان کا کردار بھی زیرِ نظر رہنا چاہیے۔

خبرِ شہادتِ حضرت مسلم

امام علیہ السلام کے کئی مقامات پر ساتھیوں کو صورت حال کی طرف

متوجہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ راستہ سوچ سمجھ کر طے کریں اور گرم بھٹیوں میں تپ کر صاف کندن بن جائیں ــــــ

کھرے اور چمک دار ــــــ

ان مقامات میں ایک موقع وہ تھا جب امامؑ کو حضرت مسلم کی خبر شہادت ملی تو آپ نے دوستوں کو مطلع فرمایا، سانحہ کا حال سنتے ہی وہ کہرام بپا ہوا جس کی مثال اب تک نہیں دیکھی گئی تھی۔

کچھ لوگ ہل گئے اور اسی منزل سے پلٹنے کو تیار ہوئے، کچھ ساتھیوں نے ثابت قدمی پر اصرار کیا اور استقلال کے ساتھ آگے بڑھنے اور منزل پر پہنچنے کا عزم جاری رکھا۔

امامؑ نے حضرت مسلم کی صاحبزادیوں کو بلایا ــــــ گود میں بٹھایا، سروں پر دستِ شفقت رکھا ــــــ امامؑ کا انداز دیکھ کر بچیوں کو اپنے یتیم ہونے کا یقین ہوگیا۔ یہ منظر عجیب تھا۔ عورتیں اس وقت ڈگمگا سکتی تھیں ــــــ یہ واقعہ انھیں آگے بڑھنے اور نصب العین پر ثابت قدمی سے روک سکتا تھا۔

دیکھا تو وہ خواتین اسی طرح استوار و طلب گارِ سفر تھیں۔

خیمہ گاہ

قافلہ کربلا پہنچا ــــــ امامؑ نے یاد دلایا ــــــ

یہ وہی وعدہ گاہ اور منزلِ سفر ہے۔

خلافِ معمول خواتین کے خیمے نشیب میں لگوائے، خیمے ایسے مقام پر، اس طرح نصب کرائے کہ خواتین میدانِ جنگ و خونریزی کو براہ راست

نہ دیکھ سکیں۔

لوگ سمجھ گئے ہوں گے۔ حضرت اس نفاست سے خواتین کو واقعے کی اہمیت جتا اور سمجھا رہے تھے۔ چنانچہ کچھ عورتیں اس مرحلے میں روئیں، کچھ نے مدینہ جانے کی خواہش کی۔ کچھ اس مرحلے میں بھی خاموش رہیں۔

شبِ عاشور نے صورتِ حال کو بالکل واضح کر دیا۔ اس پس منظر میں امام علیہ السلام کی تقریر نے راستہ بھی دکھایا اور چارہ سازی بھی کی۔

اب صرف وہی خواتین اور وہی مرد ساتھ رہ گئے جو حوصلہ مند تھے، جو پیغامِ شہادت دوسروں تک پہنچانے کی ہمت رکھتے تھے۔

سبحان اللہ کیا رات تھی ——— !

اور خواتین کا عالم کیا تھا ——— !

مرد کس منزل میں تھے ——— !

ان کے خیالات کیا تھے ——— !

ماحول وصورتِ حال کی سنگینی دیکھ کر یہ خواتین اصحاب سے
کہتی تھیں :

" امامؑ کی مدد کرنے میں
کوتاہی نہ آنے دیں۔ امام تک کوئی ـــــــــ
گزند نہ آنے پائے۔"

اصحاب ان باتوں کو سن کر رونے لگتے تھے ـــــــــ
یہ رونا عزیمت ، محبّت اور مقصد سے شدید
وابستگی کا آئینہ دار تھا۔

عبد اللہ کلبی میدان میں ـــــــ
جاں بہ لب تھے ـــــــ
زوجہ سرہانے پہنچیں ـــــ جا کر بیٹھیں ـــــ
ان کے چہرے سے خاک وخون صاف کرکے کہنے لگیں :

" آپ پر آفرین !
جنت مبارک ہو ، کیا خوب جاں نثاری فرمائی.
اور کیا خوب شہادت حاصل کی۔"

چھٹا حصّہ

کربلا سے شہادت تک

تاریخ کربلا کس قدر عجیب منظر کی چشم دید گواہ ہے ——
سامنے میدانِ جنگ دشمنوں سے چھلک رہا ہے ——
دوسری طرف تھوڑے سے افراد ——
ان میں سے کچھ تو بہت کم سن بچے ہیں —— تیسری بات یہ ہے کہ سب پیاسے اور بھوکے ——
چوتھی بات —— محاذ جنگ کے پیچھے خواتین اور بچے محبّتیں اور الفتیں ——
پانچویں بات —— کچھ حیران و پریشان انجام سے بے خبر ——

امامؑ کے بعد ان پر کیا گزرنے والی ہے ——؟ دشمن کے ہاتھوں کیا سختیاں جھیلنا ہوں گی ——، کون سا راستہ انھیں اختیار کرنا ہوگا۔

کربلا میں طاقت آزمائی کا مسئلہ نہیں تھا —— بند مٹھی تھی اور تلوار کی دھار —— پیدل تھے یا گھوڑے سے سوار، گنتی کے افراد

مسلح لشکر کے سامنے کھڑے تھے ــــــ اور بڑی شان سے ــــــ پوری عزیمت سے شہادت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

روزِ عاشور ــــــ تجلیِ یوم اللہ کا لمحہ ــــــ وہ دن جس میں عورت ، مرد ، بوڑھے، جوان ایک میدان میں جمع تھے۔

سب کا خیال یہی تھا کہ اپنے گلے کا خون رواں اور اپنی ہتھیلی پر جان دیکھیں تاکہ جاں نثاری کے بعد شجرِ اسلام سوکھنے نہ پائے۔ وہ اپنے سروں کی بازی لگائے اور اپنی جانوں پر کھیلے ہوئے تھے کہ حق کو پامال نہ ہونے دیں۔

جد وجہد کا رخ اسلام کی آزادی اور کلمۂ توحید کی سربلندی کی طرف تھا ــــــ اس میدان میں خواتین اپنی منزل اور اپنا درجہ نمایاں کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

فرض شناسیاں

دنیا میں کون ہے جو میدان کربلا میں ان عظیم خواتین کی فداکاریوں کو نہیں جانتا ــــــ جو اِن کی قربانیوں اور ثابت قدمیوں کو فراموش کرسکے ــــــ ؟

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فرار کی راہیں بند تھیں اور معرکے سے بچ نکلنے کا امکان نہ تھا ــــــ ،

نہیں ــــــ ہرگز ایسا نہیں ہے ،

خطرے سے بچنا، ان کے لیے بہت آسان تھا۔ وہ اپنے شوہروں کی منت کر کے میدان سے اپنے واپس جانے کا مطالبہ کرسکتی تھیں۔

ان خواتین نے فرض شناسی کے انداز میں ثابت قدمی دکھائی اور برمحل فداکاری کا مظاہرہ کیا ——

دلاوری اور وہ بھی صرف خدا کی رضا کے لیے ——

کام کیا۔ اور پوری جدوجہد سے ——

لیلیٰ دخترِ میمونہ، حضرت علی اکبرؑ کی والدہ سے کربلا میں کہا گیا:

"بی بی! آپ یزید کی رشتہ دار بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں ——؟"

دلیر و بلند ہمت خاتون نے جواب دیا:

"اگر تمھیں واقعاً رشتہ داری ہی کا خیال ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے کی بنیاد پر سوچو!"

مقابلے

ان خواتین نے ہدف و نصب العین کے لیے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ دنیا حیران ہے۔ ان کے استقلال آفریں لہجے کی باتیں اور طنز وطعن کے تیر ٹھیک ٹھیک نشانوں پر بیٹھتے رہے۔ انھوں نے عیش وعشرت کو بھلا دیا زندگی کی راحت اور گھر کے مسکراتے ماحول کو خیرباد کہا۔ نرم بستر اور گرم گودوں کی یاد دل سے نکالی۔

ایسے ارادے دکھائے جو کسی طرح بھی تسخیر نہیں کیے جا سکتے تھے۔

دشمن کے قبضے میں جاکر، یا ان کے روبرو کیا کرنا ہے؟ اس سوال کا جواب صاف اور واضح تھا ——

کسی صورت میں —— کسی انداز سے التجا نہیں کریں گے

——— ان کی روٹی اور کھجوریں نہیں کھائیں گے ———!

——— عاجزانہ گفتگو زبان پر نہ لائیں گے ———!

——— دشمن کے سامنے نالہ و فریاد کو وسیلہ نہ بنائیں گے —!

——— آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر آہ نہ آنے دیں گے ———!

کیوں ———؟

اس لیے کہ دشمن ان کی استقامت دیکھ کر احساس کمتری و شکست میں مبتلا ہو، اپنی ناکامی پر شرمسار رہے۔

شبِ عاشورا

تاریخ کربلا میں خواتین پر دو راتیں بہت سخت گزریں۔

عاشور کی رات ———، شبِ الوداع۔

گیارھویں کی رات ——— جو شامِ غریباں تھی۔

شب عاشور کیا کیا دکھائی اور کیا کیا سُنائی دے رہا ہے —؟

۱۔ آنے والے دن کی خبریں:

امامؑ نے عاشور کی رات کو خطبہ دیا، اس وقت سب ساتھی حاضر تھے سب نے امامؑ کی تقریر سُنی۔ امامؑ نے یاد دہانی فرمائی کہ:

صبح روزِ مرگ و شہادت ہے۔ جو شخص صبح کو یہاں ہوگا وہ شہید کیا جائے گا۔

یہ بات آزمائش و امتحان کے لیے ایک اچھی تمہید تھی۔ چنانچہ کچھ لوگ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

آدھی رات کو امام علیہ السلام جناب زینبؑ کے خیمہ میں آئے۔
زینب سلام اللہ علیہا نے پوچھا:

"آپ نے ساتھیوں کو اچھی طرح ملاحظہ کر لیا ہے ——،
آزما لیا ——، ان کے ضمیر سے باخبر ہیں؟
یہ لوگ ثابت قدمی و مردانگی کا مظاہرہ کریں گے —؟
دشمن کے مقابلے میں ہتھیار تو نہیں ڈالیں گے؟"

جواب ملا:

"بخدا، ان کو اچھی طرح آزما لیا ہے —— انھیں
بلند ارادہ —— اور —— بلند مرتبہ پایا ہے۔
وہ موت سے اس قدر مانوس ہیں جیسے شیر خوار بچہ
ماں کے دودھ سے۔"

۲۔ خواتین کا گریہ:

بہت سی خواتین نے رات کو امامؑ اور ان کے ساتھیوں کی خبرِ شہادت سن کر بے چینی اور اشک و آہ کا مظاہرہ بھی کیا۔
یہ بے قراری اس بیوہ جیسی نہیں تھی جو اپنے شوہر کے لیے دکھاتی ہے، اس کا رونا، زندگی اور راحت کے ختم ہونے پر مبنی ہوتا ہے۔
ان خواتین کا رونا اس شخص کی طرح تھا جو اپنی تمنا سے ہاتھ دھو بیٹھے ——!
اس قسم کی حالت اور اس طرح کی بے قراری حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے یہاں دیکھ کر بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

زینبؑ اپنے نالہ و فریاد میں کہہ رہی تھیں :

" کاش، آسمان پھٹ کر زمین پر آجاتا۔ پہاڑ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتے .... "

یہ باتیں بے چارگی و عاجزی کی بنا پر نہیں تھیں ـــــــ یہ تاثراتِ غم، معزز اور پیاروں کی شہادت کی اہمیت بتاتے تھے۔ انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی موت سے دین کا نظام درہم برہم اور نبوت کا رشتہ پارہ پارہ ـــــــ اور نورِ شریعت خاموش اور امامت کا ہرا بھرا درخت مرجھا جانے کا خطرہ ہے۔

ماحول و صورتِ حال کی سنگینی دیکھ کر کبھی یہ خواتین اصحاب سے کہتی تھیں :

" امامؑ کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ آنے دیں۔ امامؑ تک کوئی گزند نہ آنے پائے۔"

اصحاب ان باتوں کو سُن کر رونے لگتے تھے۔ یہ رونا عزیمت محبت اور مقصد سے شدید وابستگی کا آئینہ دار تھا۔

۳۔ امامؑ کا درس

امام علیہ السلام ہر مرحلے میں درس دیتے رہے ـــــــ ،

درسِ مقابلہ و صبر و برداشت و ثابت قدمی۔

اس درس میں اپنی مثال اور اپنا کردار نمایاں فرماتے تھے کہ :

ضبط کرو اور ناقابلِ بیان اسرار برداشت کرو۔

ایک درس میں حضرت زینب سے فرمایا :

"میری بہن سوچو تو ــــ! آسمان فنا ہو جائیں گے، زمین کو فنا ہے ــــ، نانا ہم سے بہتر تھے دنیا سے تشریف لے گئے ــــ، والدِ بزرگوار نہ رہے، والدۂ ماجدہ، برادرِ عالی قدر ......
.... سب اس جہان سے جا چکے ــــ، بجز ذاتِ پروردگار یہاں کسے قرار ہے ؟"

موت و شہادت کے مرحلے کو برداشت کرنے اور حتمی بات کے مقابلے میں جزع و فزع روکنے کے لیے یہ درس بہت اہم تھے۔ حوصلہ افزا اور ہمت آفریں۔

۴- ہدایت و نصیحت

امامؑ نصیحت اس لیے کر رہے تھے کہ دامنِ صبر کی گرفت ڈھیلی نہ پڑ جائے ــــ اظہارِ درد و غم میں حد سے آگے نہ بڑھ جائیں مثلاً نصیحت کی:

"اس غم میں کُرتے چاک نہ کرنا ــــ اس سوگ میں منہ نہ نوچنا ــــ اپنے مرتبہ و وقار سے گری ہوئی باتیں نہ کرنا۔

کبھی ان کو ہوشیار فرماتے اور متنبہ کرتے تھے کہ:

"ایسا نہ ہو کہ شیطان غالب آجائے اور تمھارے ارادے کمزور کر دے۔"

حضرت زینب سلام اللہ علیہا رہبرِ خواتین کو مخاطب کرکے دوسری

عورتوں کی توجہ بھی موڑی۔

"تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں، میری خواہش ہے کہ ایسے کام نہ کرنا ـــــ میرے غم میں گریبان نہ پھاڑنا، چہرے پر خراش نہ ڈالنا ـــــ، آہ و واویلا نہ کرنا......"

ایک اور موقعہ پر بے قراری دیکھ کر فرمایا:

"بہن! تمھارے حواس و عقل کو شیطان معطّل نہ کر دے...."

اس سے رہنما اشارہ یہی تھا کہ اپنی شخصیت و ذمہ داری پر نظر رکھیں اور بہترین طریقے سے اس کو بچائیں ـــــ دشمن تو قدم ڈگمگاتے دیکھنا چاہے گا ـــــ!

یہ قیمتی نصیحتیں، زینبؑ کے حوالے سے تمام ستم رسیدہ خواتین کے لیے تھیں تاکہ راستہ چلتی رہیں اور منزل تک پہنچ جائیں۔

۵۔ ایک نکتہ:

ایسی عورتیں بھی اس وقت موجود تھیں جو اپنے وارثوں سے ہم آہنگ نہ تھیں۔ وہ کربلا کا یہ دردناک منظر دیکھنا نہیں چاہتی تھیں، نہ ان میں اتنا حوصلہ تھا کہ شوہر اور برادر کو اکیلا چھوڑ دیں۔ راستے بند اور حوصلے پست تھے ـــــ یہ عورتیں، دشمن کے اقدامات سے گھبرا کر خیموں میں رونا شروع کر دیتی تھیں۔

مگر اس قسم کے حالات میں ایسے معاملات کم و بیش رونما ہونا

کوئی نئی بات نہیں ہے ــــــ ،

البتہ عظمت کی بات یہ ہے کہ باعزیمت و باارادہ وتربیت یافتہ خواتین انھیں سنبھالتی اور خاموش کر دیتی تھیں۔

روزِ عاشورا

عاشورا ــــــ وہ دن ، جس میں حق و انصاف ، شرف و کرامت اور بلند فطرتی ایک طرف ــــــ

اور دوسری طرف ــــــ ذلت و پستی کے مجسمے تھے۔

دو صفوں کا مقابلہ تھا ــــــ

حق و باطل ــــــ ابراہیمؑ و نمرود ــــــ

موسیٰؑ و فرعون ــــــ حسینؑ و یزید ــــــ

ہر طرف جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی ، دشمن پوری تیاری کے ساتھ فرزندِ رسولؐ سے نبرد آزمائی کے لیے تیار تھا ــــــ ، وہ انھیں آنِ واحد میں فنا کرنے کی فکر میں ، اپنے سحر و جادو کا جال بچھائے تھا۔

ایک طرف یزید کا لشکر عمر سعد ، شمر و خولی و سنان کی سربراہی میں پھیلا ہوا ــــــ اور ــــــ دوسری طرف لشکرِ اسلام جس کی پیشوائی امام حسینؑ ، عباس اور حبیب ابن مظاہر کر رہے تھے۔

اگر عمر سعد اور یزیدی صف بستہ نہ ہوتے تو آدمی کا اس حد تک ذلیل اور گھٹیا پن کیسے معلوم ہوتا ــ ؟

امام علیہ السلام کے انصار و مددگار ، عزیمت و اخلاص ، عظمت و ہمت کے ساتھ خیموں سے برآمد ہوئے اور جاں نثاری و فداکاری کی رکاب

میں قدم ڈال کر شجاعت و دلیری کی سواریوں پر جلوہ نشین ہوئے ۔ ان کا مقصدِ وحید ـــــــــ

"امامؑ کی حفاظت تھا۔"

اس راہ میں انھیں اپنی جان کی پرواہ نہ تھی۔

خواتین کا پروگرام

خواتین صبح سے عصر تک اپنے انتہائی اہم فرائض اور تاریخی مشن کو پورا کرنے میں مصروف رہیں ـــــــــ

ان کے عظیم منصوبے کے چند نکتے یہ تھے:

۱۔ شہیدوں کی ہمراہی:

ان کی کوشش تھی کہ ہر شہید کا پوری طرح ساتھ دیں، ان کے تیور ایسے تھے جو دشمن کو جھنجوڑتے تھے ـــــــــ انھیں نصب العین کی اہمیت سے خبردار کرتے تھے ـــــ ان کی جدوجہد اور ان کا جلال دشمن کی آنکھیں جھکوا رہا تھا۔ انھوں نے کس نفیس طریقے سے ثابت کر دکھایا کہ وہ شہیدوں کے ہم قدم، مردوں کے پہلو بہ پہلو اور میدانِ عمل و کارزار میں مردوں جیسا کردار دکھا سکتی ہیں۔

وھب کی زوجہ، خیمہ کا ستون لے کر میدان کی طرف جھپٹیں اور پکاریں:

"عبداللہ! میں تجھ پر قربان۔ خاندانِ پیغمبرؐ کی مدد کرنا، دشمنوں سے دفاع کرنا۔"

اس کردار و عمل کا دوسرے شہیدوں اور ان کے ساتھیوں نے بھی مظاہرہ کیا۔

۲- زنجیر نہ بننا:

میرے خیال میں شہیدوں نے بڑے ذہنی سکون سے میدانِ کربلا میں جان فدا کی ـــــ اس ذہنی سکون کے لیے خواتین کی ہمت افزا نفسیاتی کمک ـــــ

کیونکہ وہ ان مردوں کے لیے بیڑی نہ بنیں ـــــ ان کی پریشانی کا سبب نہ ہوئیں ـــــ ان کے پیچھے چیخی چلائی نہیں کہ میدانِ جنگ میں ان کے سرتاج پریشان ہوتے۔

انصارِ امامؑ کے لیے یہ بہت بڑی نعمت تھی کہ ان کی خواتین انھیں ذہنی سکون دے رہی تھیں کہ وہ مردانِ راہِ خدا، پورے اطمینان سے جنگ کریں اور راہِ خدا میں یادِ خدا کے ساتھ جاں نثاری کریں۔

۳- بچّوں کو بہلانا:

ان خواتین نے بچّوں کو بہلانے اور انھیں باپ یا بھائی کا دامن پکڑنے اور رکاوٹ بننے سے روکا تاکہ ان کی محبّت اور حسِّ پدری کو جوش نہ آئے اور وہ لوگ میدان میں جانے سے کسی تاخیر کا شکار نہ ہونے پائیں۔

خیموں میں پانی ناپید تھا، بچّے رو رہے تھے، پانی ڈھونڈتے اور طلبِ آب کرتے تھے۔ خواتین بڑی نرمی اور محبّت سے انھیں

سمجھاتی بجھاتی تھیں کہ مجاہدین ان کی بے چینی سے غمگین اور دشمن ان
کے غم سے شادکام نہ ہوں ـــــ
پانی بند ـــــ تدبیر ناممکن ـــــ کیا کریں ـــ
مگر خاموش، کوئی بات خلافِ رضاء خدا لبوں تک ـــ
نہیں آتی ـــــ مائیں بچوں کو دلاسا دیتی رہیں ـــــ
مگر کب تک ـــــ؟

۴-اپنے اوپر قابو

منتظم اور انتہائی صبر کے ساتھ فرائض انجام دینے والی خواتین
جن کی دلیری اور رکھ رکھاؤ ان کی پاکیزہ روح کی بلندیوں پر گواہ ہے
بہت سے شہید خیموں سے رخصت ہو کر یوں گئے کہ ان کی
بیوی اور بہنوں کے آنسو ان کا سامانِ سفر نہ تھے۔ نہایت اطمینان
سے انھیں خدا حافظ کہا گیا اور رسمی الوداع کے بعد وہ میدان
میں آئے۔

خواتین اپنے عزیزوں کے لاشے خاک و خون میں دیکھتیں اور
ایمان و قوتِ روحانی کے ساتھ اپنے نصب العین کے لیے رواں ہو
جاتی تھیں۔

وہ جانتی تھیں ـــــ
کہ ـــــ اِن کو اللہ نے شہادت کی عزت سے
سرفراز کیا ہے ـــــ یہ مقام ـــــ
شکوہ و فریاد کا نہیں ہے۔

۵۔ اطاعتِ حکمِ امامؑ

اس میدان میں ایک اہم اور عظیم بات یہ دیکھنے کی ہے۔ سب امامؑ کے حکم پر گوش بر آواز تھیں۔ کوئی بات اور کوئی کام اپنی خواہش سے نہیں کرتیں ـــــ امامؑ کے اشاروں کی پابند ہیں۔ دلیری کا مظاہرہ مطلوب نہیں۔ فکری اور دبستانی انداز پیشِ نظر ہے۔

روزِ عاشور کئی خواتین میدان جنگ میں نکل آئیں اور کوئی ان کو روک نہ سکا ـــــ

عبداللہ کلبی نے اپنی بیوی کو بڑی کوشش سے میدان سے ہٹانا چاہا ـــــ مگر وہ نہ مانیں۔ کہتی رہیں:

"مجھے آپ کے ساتھ رہنا اور آپ کے ساتھ قتل ہونا ہے ـــــ"

اس عالم میں فرمانِ امامؑ سُنا کہ ـــــ

"جنگ نہ کرو، خیمہ میں بیٹھو ـــــ"

فوراً سرِ تسلیم خم کیا اور خیمے میں آن بیٹھیں۔

۶۔ حفاظتِ امامؑ:

یہ خواتین اپنے عزیزوں کو حفاظتِ امامؑ کے لیے ابھارتی تھیں، ان کو جان نثاری کے لیے آمادہ کرتی تھیں۔ ذاتی طور پر کوشش میں لگی رہتی تھیں کہ امامؑ کو کسی بات سے دکھ نہ پہنچے۔

اسی کے پیشِ نظر اپنے مرنے والوں پر امامؑ کے ہوتے ہوئے رونے سے باز رہتی تھیں ——— ،

نہ آہ ——— نہ اشک ——— ؛

یہ بلند حوصلہ خواتین جنگِ اُحد کی دلیر خواتین کے پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں۔

جنگ احد میں کسی عورت کا شوہر یا بھائی یا باپ مارا جاتا، اسے خبر ملتی تو وہ پوچھتی :

"یہ بتاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں ——— ؟ میں نہیں مانتی ، ان کی زیارت کراؤ۔"

نبیٔ کریمؐ تشریف لاتے۔ وہ خاتون آپ کو دیکھ کر کہتی تھی کہ :

"یارسول اللہؐ ! آپ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔"

خواتین کربلا بھی امامؑ کی سلامتی کے مقابلے میں ہر افتاد کو حقیر و ناچیز سمجھتی تھیں۔

میدان میں بھیجنے کی کوششیں

ان خواتین نے اپنے فکری دبستان کی نگہداشت میں شجاعت آفرینی دکھا کر ——— موت کو کھیل بنا دیا۔

خود اپنے ہاتھوں اپنے بچوں، بھائیوں اور شوہروں کو میدان میں بھیجا اور غم کا سایہ نہ آنے دیا ———

مثالیں ملاحظہ ہوں :

۱۔ مادرِ وھب :

مادرِ وھب رضؓ نے امام حسین علیہ السلام کی تنہائی دیکھی تو بیٹے سے کہا :

" بیٹا ! دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند کی مدد کرو ! "

وہب نے ماں کی تعمیلِ حکم میں قدم آگے بڑھائے ۔ میدان میں جاکر حملہ کیا ۔ ایک جھڑپ کے بعد واپس آئے ۔ پوچھا :

" امّاں ! آپ خوش ہوئیں ؟ "

ماں : " مجھے تو خوشی اس وقت ہوگی جب تم راہ خدا اور حفاظت اسلام و حسینؑ میں مارے جاؤ گے اور خاک و خون میں نہاؤ گے ۔ ! "

نوبیاہتا بیوی نے کہا :

" تمھیں خدا کی قسم ، مجھے اپنے فراق میں مبتلا نہ کرو ۔ "

ماں نے دوبارہ کہا :

" بیٹا ! اس کی بات نہ سنو ، واپس جاؤ ، آگے بڑھو ، مقصد پر جان کی بازی لگا دو ۔ "

وہب گئے ــــــــ دشمن سے لڑے ، دونوں ہاتھ کٹے ــــــــ گرفتار ہو کر عمر سعد کے پاس پہنچائے گئے ۔

اس کے حکم سے سر قلم ہوا ۔

ـــــــــــ • ـــــــــــ

۲۔ جنادہ بن حارث

جنادہ میدان میں گئے ـــــ مارے گئے۔ ان کی بیوہ نے لڑکے کو میدان کے لیے تیار کیا:

"جاؤ ـــــ جان نثاری دکھاؤ۔"

لڑکا خدمتِ امامؑ میں آیا ـــــ اجازت مانگی۔ امامؑ نے منع فرمایا:

"بیٹا! شاید تمھاری ماں راضی نہ ہو، جاؤ ـــــ"

فرزندِ جنادہ نے کہا:

"مولا! مجھے میری والدہ ہی نے میدان کے لیے بھیجا ہے۔"

۳۔ مسلم بن عوسجہ

میدانِ جنگ میں لڑنے کے بعد شہید ہوئے۔ بیٹے نے میدان کا رخ کیا۔ امامؑ نے اجازت نہ دی۔ اس بنیاد پر کہ ماں بے کس و تنہا ہے اچانک اس کی ماں نے صدا دی۔

"بیٹا! تم فرزندِ پیغمبرؐ سے اپنی زندگی کو عزیز رکھتے ہو ـــــ؟ فرزند رسولؐ مارے جائیں اور تم زندہ رہو ـــــ؟ میں تم سے راضی نہیں ہوں گی۔!"

بیٹا: "اماں! کیا کروں ـــــ؟"

ماں : " میدان میں جاؤ ، شاباش ! خوش رہو ،
ساقئ کوثر کے دستِ مبارک سے آبِ کوثر ملے گا
پیاس کبھی نہ لگے گی ۔"

بیٹے نے معرکۂ کارزار گرم کر کے شہادت کا درجہ حاصل کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جاں نثاری و شجاعت آفرینی اور بے مثال جذبۂ للہیت سے حفاظت و حمایتِ دینِ اسلام میں جو کام انھوں نے انجام دیے وہ نسلوں کے لیے ہدایت آفریں ہیں ۔

ہمّت افزائی

ان خواتین نے دلاورانِ جنگ اور مجاہدین کی دل دہی اور ہمت افزائی میں بڑا کردار ادا کیا۔ ان کی فکری جد وجہد کا نتیجہ تھا کہ شہید آسودہ حال اور سکون و اطمینان کے ساتھ جان دینے جاتے تھے۔

عبداللہ کلبی ، میدان میں جاں بہ لب تھے ـــــــ زوجہ سرہانے پہنچیں جا کر بیٹھیں ۔ ان کے چہرے سے خاک و خون صاف کر کے کہنے لگیں :

" آپ پر آفریں ! جنّت مبارک ہو ، کیا خوب
جاں نثاری فرمائی اور کیا خوب شہادت حاصل
کی ـــــــ ! "

اسی عالم میں شمر نے حکم دیا کہ

" اس خاتون کا سر ڈنڈے سے توڑ دیا جائے ۔"

خاتون نے سُنا ، مگر اسی اطمینان سے بیٹھی رہیں ۔ کہتے ہیں کہ ایک ظالم نے نیزے کے ڈنڈے سے ان کا سر توڑ دیا اور بی بی شہید ہو گئیں ۔

کچھ شوہر ایسے تھے جو اپنی بیویوں کے مستقبل سے پریشان نظر آئے۔ ان کی بیویوں نے تسلی دی، اطمینان دلایا:

"آپ میدان جائیں، ہمارا خدا حافظ و نگہبان ہے"

کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ زوجہ، میدانِ جنگ میں شوہر کے ساتھ یا سامنے کھڑی ہو جاتی کہ شوہر کے رنج میں امکانی حد تک کمی میں سہارا دے سکے۔

شہیدوں کی مائیں

ماؤں کی جرأتیں اور ان کے حوصلے بھی کیا تھے! کیا خلوص و پاک دلی تھی ——

ماں، محبت و احساس کی ایک دنیا ہوتی ہے۔ لیکن راہ خدا میں اس کی ماتا اور احساسات بدل گئے تھے۔

مثال کے طور پر:

وہب ابھی دولھا بنا تھا —— شادی کو ایک ہفتہ گزرا ہوگا۔ اس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے۔ دشمن اسے گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس لے گئے۔ حکم ہوا:

"سر اُڑا دو ——!"

کٹا ہوا سر، ماں کی طرف پھینکا گیا —— ماں نے دوڑ کر سر اٹھا لیا —— اسے چوما اور کہا:

"خدا کا شکر، اس نے تمھاری شہادت سے
مجھے امام حسینؑ کے حضور میں سرخرو کیا۔"

اور دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے کہا:

"امت کے بدکردار لوگو! میں گواہی دیتی ہوں کہ آتش پرست اور مسیحی تم سے بہتر ہیں۔"

پھر بیٹے کا سر دشمن کی طرف واپس کیا،

"کہ ہم راہ خدا میں جو کچھ دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔"

زوجہ مسلم بن عوسجہ کا اپنے فرزند کی شہادت پر اور مادر عمرو بن جنادہ جیسی دوسری خواتین کا کردار اسی معیار کا نظر آتا ہے۔

عمرو کی والدہ نے بیٹے کا سر لیا، اسے صاف کیا، بوسہ دیا اور کہا:

"بیٹا! شاباش!!"

پھر اسے دشمن کی طرف یوں پھینکا کہ ایک آدمی کی موت اس سے واقع ہوئی۔ پھر عمود خیمہ لے کر دشمن پر حملہ آور ہوئیں دو آدمیوں کو قتل کیا۔ اتنے میں امامؑ پہنچ گئے اور حضرت انھیں خیمے میں لے آئے۔

میدانِ جنگ میں

روز عاشور، متعدد خواتین نے میدان جنگ میں شرکت کی۔ خلوص و قوت کی بنیاد پر دشمن سے لڑیں، جس کے نتیجہ میں مخالف فوج میں افسردگی اور کبھی لرزہ بھی طاری ہوا۔ جنگی نقطۂ نظر سے یہ کیفیت ایک لمحے کے لیے طاری ہونا بھی بڑی بات تھی۔ یہ دہشت کہ ایک خاتون لڑنے آئیں۔

یہ شرمندگی کہ ایک عورت ماری گئی ——— دشمن کی رسوائی اور انصارِ حسینی کی برتری کے لیے بہت بڑی بات تھی۔

ان خواتین کے پاس حریف پر حملہ کرنے کے لیے عمود خیمہ کے علاوہ کچھ نہ تھا وہ شمشیر بکف دشمن کے سامنے ایک عمود لے کر نکلتی اور حملہ کرتی تھیں۔

اس کے دو مطلب تھے —— ایک تو یہ خواتین خیمے کے علاوہ کہیں نکلتی نہ تھیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اسلحہ نہ ہو تو عمود خیمہ سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔

مادرِ عمرو اپنے فرزند کو قتل ہوتے دیکھ کر عمود خیمہ لے کر نکلیں —— اور رجز پڑھی :

"میں بوڑھی عورت ہوں اور اولاد فاطمہ زہراؑ کی
حمایت میں تم پر وار کر رہی ہوں ...."

جھڑپ ہو ہی رہی تھی کہ امامؑ باہر آئے اور انھیں خیمے میں لے گئے۔

مادر وہب، میدان میں نکلیں اور حملہ بھی کیا۔ مگر امامؑ نے روکا اور فرمایا :

"عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے۔"

وہ حکم امام سن کر پلٹیں اور زیر لب فرما رہی تھیں :

"پروردگار! میری امید نہ توڑنا!"

امامؑ نے بات سن لی۔ فرمایا :

"تم اور تمھارا بیٹا، جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تمھاری آرزو پوری کرے گا۔"

ہر بات پر نظر

سینے چھلنی اور دل جلے ہوئے، شوہروں کا غم، اولادوں کے داغ،

اور پریشانیوں میں مبتلا ـــــ اس کے باوجود باحواس اور ہر وقت اس بات پر نظر کہ ذرا سی غفلت نہ ہو جائے۔

① فرمانِ امامؑ پر نظر

بلاشبہ امام علیہ السلام کا وجودِ مقدس عاشور کے دن سب سے زیادہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور امامؑ بھی چاہتے تھے کہ پوری توجہ کے ساتھ جام شہادت نوش فرمائیں اور تمام معاملات بہ حسن و خوبی انجام دیں۔

خواتین اس نزاکت سے باخبر تھیں اس لیے حتی الامکان انھوں نے امامؑ کی فکرمندی کا کوئی پہلو سامنے نہ آنے دیا۔ حضرت کو پریشان کرنے والی کوئی بات زبان سے نہ نکالی۔

امامؑ کی آواز ـــــ خیمے سے آتی ہو یا باہر سے۔ سُنی اور ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

کیا فرما رہے ہیں۔ توجہ سے سنتی تھیں۔

شب عاشور کا درس یاد تھا ـــــ امام نے سمجھایا تھا ـــــ:

گریبان نہ پھاڑنا،

غم سے چہرے پر خراش نہ ڈالنا ـــــ نالہ و فریاد نہ کرنا ....

جہاں تک ہو سکا ان خواتین نے ان باتوں پر دھیان دیا۔ کم از کم امامؑ کے سامنے اور دشمن کے روبرو پورے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

امامؑ کے سامنے اس لیے ـــــــ کہ حضرت پریشان نہ ہوں اور دشمن کے سامنے اس بنا پر ـــــــ کہ وہ خوش نہ ہو۔

۲ زخمیوں کی دیکھ بھال

عاشور کے دن جنگی زخمی بھی تھے ، ایسے مجروحین نہیں جن کا علاج ہو اور وہ بچ جائیں۔ بلکہ ایسے زخمی جو تھوڑی دیر کے بعد جاں بحق ہو جاتے تھے۔

اس مختصر سی مدت میں بھی خواتین ان کے پاس گئیں ، ان کے چہروں سے خون صاف کیا ـــــــ ان کو ڈھارس دی۔ ان کی دل دہی کی تاکہ وہ بے دلی سے دنیا کو الوداع نہ کہیں

خود امام حسین علیہ السلام کا رویہ بھی یہی تھا۔ ہر شہید کے سرہانے جاتے ، چند لمحے بیٹھتے اور خوش خبریاں سناتے تھے۔

جن شہیدوں کی لاش نہ ملتی اسے ڈھونڈتے۔ پھر اٹھا کر لاتے اور گنجِ شہیداں میں رکھ دیتے تھے۔

۳ دشمن کو ہر قسم کا فائدہ اٹھانے کی سعی سے روکنا

کربلا کی جنگ کچھ اس طرز پر تھی کہ دیکھنے میں دشمن کو برتری حاصل تھی مگر اندر سے احساسِ شکست تھا۔ حضرت کی پوری فوج اس معرکہ میں مظلوم اور درد انگیز عالم میں تھی۔ کئی موقعے آئے جہاں دشمن بھی ان کی مظلومیت پر رو دیا ـــــــ خصوصاً جب کوئی ماں

اپنے بیٹے کی لاش پر دکھائی دی یا امامؑ شیر خوار بچہ میدان میں لائے۔
بہر حال، خواتین پوری طرح مستعد تھیں کہ دشمن کو شاد کام نہ ہونے دیں۔

انھیں معلوم تھا کہ میدان میں ایسے خونخوار موجود ہیں جو غم انگیز مناظر سے خوشیاں منائیں گے۔ اس منظر کو اپنی فتح جانیں گے۔ لہٰذا وہ دشمنوں کے سامنے آہیں روکے رہیں اور خون کے آنسو پی گئیں۔

انھوں نے راہ خدا میں ہر قسم کی قربانی کو اعزاز اور سربلندی کا باعث جانا۔

۴ خواتین کی روحانیت

جن باریکیوں کا مطالعہ آپ نے فرمایا۔ ان سے خواتین کی قوت روحانی کا تعارف ہو جاتا ہے۔ ان کی کوشش و کاوش، ان کی محنت و استقامت کے جلوے اور تابانیاں ان کے چہروں پر نمایاں تھیں۔ ان کے دشمن کی آنکھیں چوندھیا رہی تھیں۔

عزیزوں کی موت پر وہ اس لیے خوش تھیں کہ امام حسین علیہ السلام موجود ہیں۔

ان کی نفسیات اس قدر توانا تھی کہ کوئی ایسا نشان کوئی ایسی شکن چہرے پر نہ آنے دیتی تھیں کہ امامؑ ان کی دی ہوئی قربانی سے شرمندہ ہوں۔

مثال کے طور پر وہ لمحہ دیکھیے جب امام حسین علیہ السلام علی اصغرؑ کا جنازہ دفن کرنے لائے۔ اس وقت بھی مادر علی اصغرؑ

باہر نہیں آئیں۔

علی اکبرؑ یا قاسم ابن حسنؑ کا لاشہ میدان سے گنج شہدا میں لائے اس وقت بھی کوئی دکھیا ماں خیمے سے باہر نہیں نکلی۔

حضرت زینبؑ کا یہی رویہ اور یہی کردار تھا۔ دو بچے شہید ہوئے۔ لاشے امامؑ لائے مگر زینبؑ قتل گاہ میں نہ آئیں۔

⑤ امامؑ کی طرف سے تسلّی کا اہتمام

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امامؑ خود بھی ان خواتین کی تسلّی و تسکین ہدایت و رہنمائی غیر معمولی طور پر پیشِ نظر رکھتے تھے۔

امامؑ میدان میں آئے اور اتمامِ حجت کے لیے "ھل من ناصرٍ" کی صدا دی۔

اس آواز سے ایک لڑکی خیمے میں فریاد کرنے لگی۔ امامؑ فوراً اس کے پاس آئے اور پوچھا

"کیوں روتی ہو ——— ؟"

کم سن بچّی نے کہا:

"بابا! مرنے پر کمر باندھی ہے ——— ؟ ہم آپ کے بعد کہاں پناہ پائیں گے ؟"

فرمایا:

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ہر زندہ کو بہر حال مرنا ہے۔ میں اس کے لیے کیوں تیار نہ ہوں؟ ہاں میرے بعد، اللہ کی رحمت و پناہ تم سے دُور نہ

ہوگی ـــــ صبر سے کام لو ـــــ دل مضبوط رکھو، حکمِ خدا کے مقابلے میں لب کشائی نہ کرو۔ دنیا فانی اور آخرت جاودانی ہے۔"

⑥ غم کا بوجھ اٹھانے کی تیاری

امام علیہ السلام الوداع کے وقت خواتین سے ملنے آئے۔ وقت وہ تھا جب سب عزیز و اقارب خاک پر سو رہے تھے۔ بھائی، بیٹے، اصحاب اور نوکر و غلام سب ـــــ،

امام زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا اور سید سجادؑ بھی بسترِ بیماری پر تھے۔ امام خیمے میں آئے اور فرمایا:

"استعدّوا للبلاءِ"

"مصیبت کے لیے تیار رہو۔"

فرمایا:

"اپنے اپنے لباس بدل لو، یقین رکھو، اللہ تمھارا حامی و مددگار، ناصر و نگہبان ہے۔ تمھیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور اللہ تمھیں اچھے نتائج عطا فرمائے گا۔ تمھارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ تم سب اس دکھ درد سے نجات پاؤ گی اور اللہ کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز ہوگی۔ جو مصیبت آئے خندہ پیشانی سے جھیلنا، شکوہ نہ کرنا۔ ایسی بات زبان پر نہ لانا جس

سے تمھارا مرتبہ کم ہو۔"

ہوا یہی ـــــ ان خواتین نے ایسی دلیری اور بہادری سے راہِ پرخطر کو طے کیا کہ دنیا حیران ہے۔

⑦ جانکاہ دن کا خاتمہ

عاشور کی لڑائی صبح کو شروع اور عصر کے وقت ختم ہوئی۔

جان کاہ دن ، اضطراب وہیجان ، حملہ وہجوم کا دن ـــ تبر و شمشیر نیزہ و تیر کا دن ....

عاشور ، آہ وفریاد ، ہنگامہ ورجز ، دلیری وہمت آفرینی کا دن تھا۔ دشمنوں کی یلغار اور گھوڑوں کی آواز۔ اور جنگ آزماؤں کے رجز نے رن کا میدان ہلا رکھا تھا۔

اب عزیز خاک وخون میں غبار کی چادریں اوڑھے پڑے تھے ایک سورج ڈوب رہا تھا ، دوسرا سورج نکلنے والا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک نیزے پر بلند ....

———✳———

ڈاکٹر بنت الشاطی کے بقول :

واقعۂ کربلا کے بعد سنگین ترین و مشکل ترین ـــــ
ذمہ داری کا بوجھ ـــــــــــ
حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو اٹھانا پڑا ـــــــــ
اور ـــــــــ
انھوں نے اس بھاری فریضہ کو بخوبی انجام دیا۔

زینب سلام اللہ علیہا کی جدوجہد کا نتیجہ ـــــــــ
آل ابوسفیان و بنی امیہ کے زوال کی صورت میں رونما ہوا۔
یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے ـــــــ
کہ ـــــــــ
اولادِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خونِ پاک ـــــ
ـــــــ ہدر و رائگاں ہونے سے ـــــ
بچ گیا۔

ساتواں حصّہ

کربلا سے کوفے تک

خواتین کے سامنے مناظر

عاشور کا دن گزرا، اس کے پیچھے، فریاد و فغاں، آہ و نالہ و بکا کا طوفان —— بے سر لاشے خاک پر پڑے ہوئے —— شجاعت آفریں للکار گلے میں گھٹ کی گھٹی رہ گئی۔

پسماندگان ہیں:

—— بیوی، جس کا شوہر خون میں نہایا ہوا سو رہا ہے۔

—— بہن، جس نے بے جان بھائی کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے زخم دیکھے۔

—— عورتیں اور بچے، جن کے بزرگوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے میدان میں بکھرے ہوئے ہیں —— اور رگوں سے خون برس رہا ہے۔

عاشور کا دن تمام ہوا لیکن انقلاب حسینیؑ کا محاذ، ان غم نصیب خواتین کے ذریعہ کھل چکا تھا۔ شہیدوں کا پیام ہر طرف پھیلنے لگا ——

انقلاب کی جڑیں دلوں میں اترنا شروع ہوگئیں ـــــــ ان خواتین نے چالیس دن کے اندر اندر وہ غلغلہ بلند کر دیا کہ یزید نے گھبرا کر واقعے کی ذمہ داری ابن زیاد کے سر تھوپ دی۔

ادھر ابن زیاد اس واقعے سے اپنا دامن صاف کرنے کی فکر میں سرگرم تھا ـــــــ

ابھی چند روز پہلے "واقعۂ عاشورا" کو ہر ایک اپنے فخر کا سبب جتا رہا تھا ـــــــ

عاشور کے بعد ـــــــ میدانِ معرکہ ان خواتین کے لیے اور زیادہ وحشت ناک تھا۔ اب ان کا یار و مددگار کوئی نہ تھا۔ دشمن بے شمار اور یہ سب ان کے ہاتھوں گرفتار ـــــــ اسلحہ موجود نہیں، ہاتھ بندھے ہوئے ـــــــ، حریف بے غیرت و بے خوف و بے باک، اس نے ان عورتوں کو رونے کا حق دے دیا۔

دشمن کی اخلاق باختگی

دشمن اس قدر فرومایہ تھا کہ قلم اس کی تفصیل لکھتے ہوئے شرماتا ہے، قیدیوں کے ساتھ اتنی بے رحمی کا برتاؤ کیا جس کا بیان دشوار ہے۔ قوتِ دفاع چھین لینے کے باوجود ان کے ہاتھ باندھے اس کے علاوہ متعدد گھٹیا درجے کے اقدامات انجام دیے۔ مثلاً :

۱۔ خیمے لوٹے :

امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد خیموں کی طرف جھپٹے۔

اور وہاں جو کچھ ملا ، لوٹ لیا ۔

——ایک کپڑے لے کر بھاگا ،

——ایک نے زیور چھین لیا ،

——ایک نے زمین پر بچھی ہوئی دری یا فرش اٹھالیا ،

——ایک نے بیمار کے نیچے سے بستر کھینچ لیا ....

خواتین جانتی تھیں کہ دشمن کو مال و دولت درکار ہے ، اس لیے انھوں نے زیور اور اضافی چیزیں اور اچھے کپڑے پہلے ہی سے اتار لیے تھے ——— ،

دشمن آیا تو وہ سامان اس کی طرف پھینکا تاکہ وہ اسی میں الجھ جائے ——— اس کے باوجود اگر اس کی نظر کسی بچی کے گوشواروں پر پڑگئی تو اس نے کانوں سے نوچنے میں بھی تکلف نہ کیا، حالانکہ وہ بچی خود اپنی بالیاں اتار کر پھینک دیتی ۔

فوج عمر بن سعد کے ایک سپاہی کی بیوی (جو قبیلۂ بکر بن وائل سے تھی) دشمن کا یہ بہیمانہ رویہ دیکھ کر شمشیر بکف دوڑی ، دشمن پر حملہ کیا اور صدا دی :

" بکر بن وائل کے مردو ! تم زندہ ہو اور یہ لوگ
دختران پیغمبرؐ کے خیمے لوٹ رہے ہیں ؟
آؤ اور خدا سے ڈرو
لاحکم الا للہ ......
...... "

———

② خیموں میں آگ

دشمن اس حد تک اخلاق باختہ ہو چکا تھا کہ خیمے لوٹنے کے بعد اس نے امامؑ کے خیموں میں شمر کے حکم سے آگ لگادی۔ اس طرح جو کچھ بچا ہوگا وہ جل گیا اور عورتوں بچّوں کے سر چھپانے کی جگہ بھی نہ رہی ـــــــ

یہ منظر بچّوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ صحرا کی طرف روتے چلّاتے بھاگے ـــــــ

عورتیں انھیں دوڑ کر گودیوں میں اٹھاتی اور بہلاتی تھیں:

"پیارو ـــــ! نہ ڈرو، ہم بھی تو تمھارے
پاس ہیں، آؤ ـــــ، نہ بھاگو، کیا ہوا،
کچھ بھی تو نہیں ہے۔ پیارو! نہ رو،
چیخو نہیں ـــــ فریاد نہ کرو، آؤ
بچّو! آؤ............

③ عورتوں کو مارنا

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ وہ عورتوں اور بچّوں پر حملہ آور ہوئے۔ انھیں اِدھر اُدھر دوڑانے لگے ـــــ اگر دوڑنے میں کوتاہی دیکھتے تو نیزے کی نوک سے انھیں ڈھکیلتے تھے۔ عورتیں ایک دوسری کی پناہ لیتیں اور بچے عورتوں سے چمٹتے تھے مگر دشمن کی طرف بندھے ہاتھ نہ بڑھے۔

امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی، فاطمہ پر دشمن کی نظر پڑی ـــــــ وہ ایک سمت دوڑتی جارہی تھیں۔ ایک ظالم نے اذیت رسانی کے لیے نیزہ کھینچ مارا۔ بچی زمین پر گری اور بے ہوش ہوگئی۔

امّ کلثوم سرہانے پہنچیں اور اسے ہوش میں لائیں۔

کیونکر ـــــــ؟ ـــ معلوم نہیں، چونکہ اب تک ان کے پاس پانی بہرحال نہ تھا۔

اس صورت حال میں نہ کسی عورت نے نہ کسی بچّے نے کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کیا نہ ان میں سے کسی نے دشمن سے پناہ مانگی ـــــــ!!

گیارہ کی رات

شامِ غریباں ـــــــ شہید بے کفن پڑے ہیں ـــــــ جاں کاہ پریشانیوں کی رات ـــــــ یہ رات اہل بیتؑ پر بڑی سخت گزری، گھر جل چکے تھے ـــــــ، اثاثہ لٹ چکا تھا؛

کم وبیش بیس[۲۰] خواتین اور چونسٹھ[۶۴] کے قریب بچّے ان شہیدوں کے پس ماندگان تھے۔

مردوں میں صرف حضرت امام زین العابدینؑ تیئس[۲۳] سال کی عمر، بیماری کے عالم میں اور امام حسن علیہ السلام کے دو بیٹے اور چار برس کے امام محمد باقرؑ زندہ تھے اور بس۔

امام حسنؑ کے ایک فرزند درجۂ شہادت تک نہ پہنچ سکے،

اگرچہ انھوں نے جنگِ عاشور میں ایک ہاتھ امامؑ پر قربان کیا تھا مگر عین وقت پر کسی شخص نے بڑھ کر ان کی جان بچالی۔

یہ رات خواتین کے لیے بڑی پریشانی کی رات تھی ——

خوف و وحشت ہر طرف چھائی ہوئی ——

رات وہ —— جس کے بارے میں یوں کہا جائے کہ:

۱- شبِ تنہائی:

اولاد سے دوری و تنہائی ——،

بھائیوں، شوہروں اور اسلام کی عزیز ترین شخصیتوں کا فراق

نہ کوئی حامی و ناصر نہ دشمنوں کو ظلم سے روکنے والا۔

اس کے مقابلے میں "دشمن" ظلم سے نہ تھکنے والا دشمن۔

ہر آن نت نئے ظلم ڈھانے والا دشمن ——

اس کے باوجود خواتین نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور بڑی محبت و عطوفت سے ان بچوں اور بچیوں کی نگرانی کی۔

شہیدوں کے لیے تڑپ تو رہی تھیں مگر اپنے روابط اور رشتے کی بنا پر نہیں —— بلکہ اس وجہ سے کہ ان شہیدوں میں عظمت اور بڑائی کی ایسی اسلامی قدریں ابھر آئیں جن کی بنا پر وہ عزیزان و فرزندانِ اسلام بن چکے تھے۔

۲- شبِ درد و غم

فرزندان و عزیزانِ اسلام کا دردِ فراق ان پر گراں تھا وہ

اس احساسِ غم میں ناقابل بیان کرب جھیل رہی تھیں ـــــ
وہ درد و غم جس نے دن کا الم انگیز منظر فراموش کرنے
پر مجبور کر دیا ـــــ
لیکن کوئی عورت اپنے شوہر کا سر شگافتہ اور لاشۂ بے جان
کیسے بھلا سکتی تھی ـــــ؟
وہ ماں جس کے لال نے اس کے سامنے تشنہ لب جان
دی ہو ، وہ سب کچھ کیسے بھول جاتی ـــــ؟
دشمن نے جوان فرزند کا سر کاٹ کر جس ماں کی طرف
پھینکا ہو ، وہ ماں بھلا یہ غم فراموش کر سکتی ہے ـــــ؟
یہ خواتین درد و الم کے یہ پہاڑ رضار خدا کی خاطر اٹھائے ہوئے
اور مہرِ سکوت لبوں پر لگائے ہوئے تھیں ۔

۳۔ وحشتناک رات

گیارہویں کی رات ان بچّوں کے لیے خاص طور پر بڑی بھیانک
تھی جن کے وارث انھیں اکیلا چھوڑ گئے تھے ۔ وہ تنہا تھے نہ کوئی
شمع تھی نہ چراغ ـــــ ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ ـــــ وہ اپنے
دشمن کی درشتی اور سختی دیکھ چکے تھے ۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ
لوگ کینہ توزی و بے رحمی میں چھوٹے بڑے میں فرق نہیں کرتے ۔
پھر انھیں اپنے مستقبل کی بھی خبر نہ تھی ۔ قتل ہوتے ہیں یا
قید ـــــ؟ سب سے بڑھ کر جنگ و خونریزی کا وہ ہولناک
منظر جس میں ان کے عزیز مارے جا چکے تھے ۔

ان کے ذہن چشم دید نقشوں کا بوجھ اٹھائے تھے ـــــ غم ان کا دل نچوڑ رہا تھا۔

۴۔ شب پاسداری:

گیارہویں کی رات، پاسدار خواتین نے حرم رسولؐ اور لاوارث بچوں، عورتوں اور بیماروں کی حفاظت کرنے میں گزاری۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پاسداران حرم، عظمت و جلالت کے ساتھ خاک و خون میں نہائے سو رہے تھے۔ انھوں نے اپنے فرض منصبی ادا کرنے میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔

آج کی رات پاسدار بیبیوں کی سربراہی زینب و ام کلثوم کو حاصل تھی۔ ان دونوں بیبیوں نے بڑی ذمہ داری سے مشکل ترین کام انجام دیا۔

نیم سوختہ، ادھ جلے خیمے کو کسی طرح کھڑا کیا اور گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے والے بچوں کو سمیٹ کر وہاں جمع کر کے سلایا۔ پھر اس کی خود پہرہ داری کی ـــــ یہ بات اس دور میں پہلی مرتبہ دیکھی گئی، اس سے پہلے حفاظت و پہرہ داری کا یہ انداز تاریخ میں موجود نہیں ہے۔

۵۔ شب جستجو:

مغرب کے وقت خیمہ گاہ میں آگ لگی تو کچھ بچے گھبرا کر ادھر ادھر نکل گئے۔ جسے جہاں جھاڑی یا ٹیلا ملا اس میں چھپ کر خطرے سے

پناہ لی۔ خواتین نے ان بچوں کو ڈھونڈا، سمیٹ کر لائیں، پہلے انھیں تسلی دے کر بٹھایا، پھر گنا تو کچھ بچے کم نکلے۔ اندھیری رات میں دوبارہ ان کی جستجو میں نکلیں۔ دو بچے جھاڑی میں سو رہے تھے، ایک شہیدوں کی لاشوں میں محو خواب ——
چوتھا بچہ ایک کونے میں نامعلوم سبب سے موت کی نیند میں غرق تھا —— سوتے بچوں کو جگا کر خیمے میں لائیں اور ایک گروپ میں بٹھا دیا۔

۶- شبِ عبادت:

گیارہویں کی رات، عبادت کی رات تھی ——
وہ عابد و پرہیز گار خواتین جن کی پوری زندگی ایک عالم میں گزری تھی ——
عبادت اور اللہ سے رابطہ ——
سوچیے تو سہی یہ حوادث و مصائب انھیں شب بیداری و عبادت سے کیسے غافل کر سکتے تھے۔
دعائیں —— مناجاتیں اور تہجد کی نمازیں ادا کی جارہی تھیں —— مگر بیٹھ کر —— کیونکہ ان عورتوں میں اب جان کہاں رہ گئی تھی —— کھڑے ہونے کی قوت رخصت ہو چکی تھی ——
وہ کب سے بھوکی پیاسی، جگر پر داغ اٹھائے رنج و غم سے چور اور دشمنوں کے طمانچوں سے رنجور تھیں۔

نئی ذمہ داری کی ادائیگی

اب شہیدوں کی ان پسماندہ خواتین پر کچھ نئی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ شہادت کے بعد انھیں تحریک کو دوام بخشنا تھا اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے نئے سرے سے جد وجہد کا آغاز ———
واقعات کی نقاب کشائی ———
بے خبر لوگوں کو اصل مسئلے سے آگاہ کرنا ———
یعنی ——— انھیں اب خون کا پیام اور اس کا فلسفہ عام کرنا تھا۔

سچ ہے ان کے دل دکھوں کی آگ میں بھن رہے تھے، غموں نے ان کا خون نچوڑ لیا تھا ——— اس کے باوجود وہ حقیر حیوان نہ تھیں جو دوسروں کے رحم وکرم کی محتاج ہوتیں۔

وہ کمزوری محسوس نہیں کر رہی تھیں ورنہ دشمن ان پر آقائی حاصل کر لیتا۔ وہ بجائے خود ایک وجود کی مالک تھیں ——— اور اپنی شخصیت کا احساس رکھتی تھیں۔

یہ خواتین اپنے تحفظ اور اپنے فکری دبستان کی نگہداشت کے لیے ضروری سمجھتی تھیں کہ ذمہ داری ادا کرتے وقت انھیں دبستان کے اصول اور امامؑ کی ہدایات وخطوط کے مطابق آگے بڑھنا چاہیے۔

دینی مقدسات کا دفاع کرنا انتہائی اہم ہے ——— اسی شعور واحتیاط کا نتیجہ تھا جو انھوں نے عاشور کا مشن، بڑی لطافت اور بڑی ہنرمندی سے مکمل کر لیا۔

پروگرام کی رہنمائی

حضرت زینبؑ عاشور کے بعد سب سے زیادہ روشن کردار ہیں ——
—— حسینی پیام رسانی کی رہنما —— شہادت کے مشن
کی علم بردار —— اس فکری دبستان کی سب سے بلند درجہ تربیت یافتہ
—— حکمران پارٹی کے پروپیگنڈے اور منفی اقدامات کے خلاف
جوابی کارروائی کرنے والوں کی رہبر۔

ڈاکٹر بنت الشاطی کے بقول

واقعۂ کربلا کے بعد سنگین ترین و مشکل ترین ذمہ داری
کا بوجھ زینب سلام اللہ علیہا کو اٹھانا پڑا۔ اور انھوں
نے اس بھاری فریضہ کو بخوبی انجام دیا۔
زینب سلام اللہ علیہا کی جد وجہد کا نتیجہ آلِ ابوسفیان
و بنی امیہ کے زوال کی صورت میں رونما ہوا۔ یہ
ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ اولادِ پیغمبرؐ کا خونِ پاک
ہدر و رائگان ہونے سے بچ گیا۔

خواتین، حضرت زینبؑ اور شعلہ فشاں نورِ امامت حضرت سجادؑ کی روشنی
میں سفر جاری رکھ سکیں۔ امام زین العابدینؑ ان کے ہمراہ اور ہمہ وقت مشکل کشا
تھے۔ اسی وجہ سے ان خواتین کے قدم میں ذرّہ برابر لغزش کا گزر نہ تھا۔
نہ انھوں نے کسی سے فریاد رسی و مددگاری کی خواہش کی۔
وہ سب کی سب اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرتی رہیں۔

قتل گاہ میں:

خاندانِ پیمبرؐ کو قید کیا ـــــ سب کو کوفہ و شام لے جانے کے لیے اونٹوں پر بٹھایا ـــــ پھر انھیں گنجِ شہیداں سے لے چلے۔

سواریوں نے اپنے تئیں اونٹوں سے گرادیا، وہ شہیدوں کے پاس بیٹھیں ـــــ،

انھوں نے اپنے منصوبے کا ایک مرحلہ شروع کر دیا۔

اور یہ تھا عزاداری کا آغاز ـــــ

شہیدوں کو اپنے وارثوں کے رونے کی حاجت نہیں ـــ ـــ

سب جانتے ہیں ـــــ

لیکن سوگ اور گریہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ شہیدوں کی باعظمت یاد باقی رہے ـــــ ان کے مقاصد کی بقا، ان کے فکری پیام کی پیش رفت جاری رہے اور بے خبر افراد کی توجہ کو ادھر مبذول کرایا جائے۔

بیبیوں نے عزیزوں کے پارہ پارہ بدن دیکھے وہ رونے لگیں۔ ان کے بین سے سننے والوں کے کلیجے آب آب ہو گئے۔

یہ عورتیں ان شہیدوں کو اپنی طرف سے راہ خدا میں اپنا نذرانہ سمجھتی تھیں ـــــ اس بنا پر وہ خاص احترام کی نظر سے انھیں دیکھ رہی تھیں ـــ

شاید حضرت زینبؑ نے امام حسینؑ کے جسم مبارک کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر کہا ہو:

"پروردگارا! آلِ محمدؐ کی طرف سے یہ

قربانی قبول فرما ——— !"

شہیدوں سے الوداع

وہ شہیدوں سے رخصت ہونے لگیں ، انھیں اب دور کے سفر پر جانا تھا ——— بعض عورتوں نے وداعی گفتگو کو طویل کردیا۔ دشمن ڈرا کہ اس کی فوج میں ان باتوں سے شورش نہ پیدا ہو جائے ، وہ تنبیہ و سرزنش کے ذریعے انھیں جلدی چلنے پر مجبور کرتا رہا۔

کچھ مائیں ، بہنیں ، بیویاں ، اپنے وارثوں کی لاشیں چھوڑنے پر تیار نہ تھیں۔ وہ ان سے چمٹی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔

خصوصاً جناب سکینہ ،

یہ بچی زیادہ استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی ——— وہ بابا سے لپٹی روتی رہی اور دشمن مارپیٹ پر اُتر آیا۔

حملہ ہوا ——— ، تازیانے اور نیزوں کی نوکیں ہر طرف سے بڑھیں۔ خواتین اسی طرح شہیدوں سے الوداعی گفتگو کرتی رہیں انھوں نے دشمن کا یہ حملہ غیر اہم قرار دے کر دشمن کے ضمیر پر ایک اور ضرب لگائی۔

آخر کار انھیں شہیدوں سے جبراً کھینچا اور اونٹوں پر بٹھایا گیا ——— اور قافلہ آگے بڑھا۔

دشمن کی غلطی:

دشمن نے ایک بہت بڑی سیاسی غلطی کی۔ اس نے اہل بیتؑ کی اسیری کا منصوبہ بنایا ——— وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ جنھیں قیدی بنا رہا ہے وہ کون ہیں۔

انھیں گرفتار کر کے وہ اپنے زوال کا انتظام کر رہا ہے۔

ان خواتین میں کچھ فصیح و بلیغ و شیریں گفتار اور بولنے والی بھی تھیں۔ کچھ عورتیں محدّثہ اور حافظۂ قرآن تھیں۔ وہ فکرِ اسلامی سے واقفیت بھی رکھتی تھیں۔ لازمی طور پر ایسی دانا و بینا خواتین نے صورت حال سے فائدہ اٹھایا ـــــ انھوں نے واقعات بیان کیے ـــــ حقائق لوگوں کو بتائے اور دشمن کی رسوائی میں اضافہ کیا۔

عمر سعد و ابنِ زیاد نے امامؑ کی شہادت کے بعد اگر شہیدوں کی لاشیں پامال نہ کی ہوتیں ـــــ اگر شہیدوں کو فوراً دفن کروا دیتا اگر وارثوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا، تو شاید اتنی بڑی رسوائی نہ ہوتی۔ غلطی پر غلطی یہ کی کہ ان شہزادیوں کو بدترین حالت میں رکھا۔

عورتوں کی دربدری و اسیری ان کے لیے جبر تھا وہ بادل نخواستہ یہ سب کچھ برداشت کر رہی تھیں۔ اسی عالم میں انھیں ایک موقع مل گیا۔ وہ بڑی آسانی سے تبلیغ کر سکتی تھیں، چنانچہ جہاں جہاں سے گزر ہوا، جس جگہ پڑاؤ کیا، جو لمحہ ملا یہ خواتین اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں، جو مجمع ملتا وہاں بات شروع کر دیتیں ـــــ واقعات ـــــ ان کا پس منظر ـــــ حادثات اور ان کے مقاصد و نتائج بیان کرتی تھیں۔ ان بیانات میں ان کا ایمان و اخلاص اپنا اثر دکھاتا تھا۔

کوفے میں آمد

سابقہ پروگرام کے مطابق باقاعدہ تیاری کے بعد غالباً بارہ محرم کو قیدی کوفہ میں لائے گئے۔ یہاں تماشائی پہلے سے موجود تھے۔ قافلہ پہنچا تو آ گئے

شہیدوں کے سر نوکِ نیزہ پر بلند، عورتیں اور بچے قیدی بنے ہوئے، بے کجاوہ محمل یا تکلیف دہ ہودجوں میں سوار تھے۔

کوفے کے مرد و زن قیدیوں کے لیے روٹی اور کھجور لاتے اور صدقہ کے طور پر ان کو دیتے تھے۔ امّ کلثوم وہ صدقہ بچوں کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف ڈالتی اور بلند آواز سے کہتی تھیں:

"لوگو ــــــ! ہم پر صدقہ حرام ہے۔"

یہ جملہ بہت سے لوگوں کے لیے حیرت انگیز تھا ــــــــــ آخر یہ لوگ کون ہیں؟

ان پر صدقہ کیوں حرام ہے؟

اس کے جواب میں انھیں علم ہوتا تھا کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کے خاندان سے ہیں۔ یہ نکتہ بجائے خود انقلاب کی بنیاد تھا۔

خطبۂ حضرت زینبؑ

امام حسین علیہ السلام اپنے بعد کے لیے اعلیٰ درجے کے خطیب چھوڑ گئے تھے۔ یہ فصیح و بلیغ، مطمئن مزاج، پُرسکون نفسیات کے مالک تھے بات کرنے کا سلیقہ، واقعات کی تحلیل و تجزیہ کرنے کا انداز لاجواب تھا۔

بولتے وقت یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اس نکتے کے علاوہ کوئی مادی اور دنیاوی مسئلہ ان کے سامنے تھا ہی نہیں۔

ان بولنے والوں میں، سرِ بازار پہلی بولنے والی، زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔ کوفہ کی بہت سی عورتیں ان سے واقف تھیں، وہ اپنے والد کے دورِ حکومت میں یہاں رہ چکی تھیں۔ اس واقعے کو ابھی بیس سال سے زیادہ مدت نہیں

گزری تھی ــــــ ان دنوں وہ خلیفہ وقت کی صاحبزادی تھیں ــــ آج وہ اسی شہر میں قیدی ہیں ــــــ

خطبہ دیا ــــــ بتایا کہ ــــــ

میں اولادِ پیغمبرؐ ہوں ــــــ

پھر مجمع کو شرمسار کرنے کے لیے پوچھا:

" جانتے ہو، کسے تم نے قتل کیا ہے ــــ؟

کس کا خون بہایا ہے؟ قیامت میں رسولِ خداؐ کو کیا جواب دو گے۔ وہ پوچھیں گے تم نے خدا کی امانت اور میری اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ــــــ؟ اب رو رہے ہو، روؤ کہ تم رونے کے حقدار ہو تمھاری آنکھوں کے آنسو کبھی نہ سوکھیں ......"

ثانیٔ زہراؑ نے اہلِ کوفہ کو فریبی و مکّار کے نام سے یاد کیا۔ ان کے عملِ بد کے لیے فرمایا کہ آسمان پھٹ پڑے تو بے محل نہیں۔

حضرت زینبؑ تقریر کرتے وقت بڑے ٹھہراؤ، وقار اور اثر آفرینی کے عالم میں تھیں۔ انتقامی لہجے، بے چارگی کے احساس کا سایہ نام کو نہ تھا۔

دوسروں کا خطاب

حضرت زینبؑ کے بعد امام زین العابدینؑ نے تقریر کی۔ ان کے بعد دوسری بیبیوں نے، امّ کلثوم، فاطمہ بنت حسینؑ .... نے خطبے دیے۔

ام کلثوم علیہا السلام نے تو وہ انداز اختیار کیا جس سے شور برپا ہوگیا

نالہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوئیں ـــــــ

کچھ لوگ سر پیٹ رہے تھے ـــــــــــ ،

کچھ منہ پر طمانچے مار رہے تھے ـــــــــــ !

سب اپنی بے خبری، جہالت اور مشکلات پر معذرت و

شرمندگی کا اظہار کر رہے تھے۔

سید الشہداءؑ کی صاحبزادی نے اپنی تقریر میں اہلِ کوفہ کو مجرم قرار دیا،

ان کی تقریر دلوں کو برما گئی۔ لوگ بے چین ہو کر رونے لگے۔

ایک شخص نے کہا :

" اے معصوموں کی بیٹی، تقریر روکیے، ہمارے

دل کباب اور سینے گداز ہوگئے ہیں "

سب نے تقریر کے ضمن میں واقعاتِ کربلا کو نہایت عمدہ انداز میں

موضوعِ بحث قرار دیا۔ اس کے نہایت اہم گوشوں پر روشنی ڈالی۔

دشمن کی ذلیل حرکتیں ــــــ خیموں کا لوٹنا ــــــ

شہیدوں کی لاشیں پامال کرنا ــــــ خیام میں آتش زنی،

ــــــ بچوں کی پیاس ــــــ ،

ایسی باتیں کیں جن سے ان کے احساسات پر حیرت انگیز حد

تک چوٹ لگی۔

نعرے

ان تقریروں میں نعرے کا انداز بھی تھا۔ نعرہ، انقلاب یا قوم

کے احساسات کا ترجمان ہوتا ہے۔ تقریریں، سرزنش بھی تھی اور مقصد کے لیے پیش قدمی بھی۔

مقصد ان کو خوابِ گراں سے بیدار کرنا تھا ——

امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا:

"بابا! اے حسینؑ! آپ پر اور آپ کے اصحاب پر درود و سلام۔ اس زمین کو سلام جس نے آپ کے جسم مبارک کو اپنی آغوش میں لیا —— بابا! آپ کے بعد دنیا کا رنگ ہی بدل گیا۔"

حضرت امِ کلثومؑ نے کہا:

"کوفے والو! تباہی و بربادی ہو تم پر۔ مردہ باد، رحمتِ خدا سے دور رہو۔"

حضرت زینبؑ نے فرمایا:

"موت و رسوائی ہو تمھیں —— نفرت و تباہی تم پر نازل ہو —— وائے ہو تم پر۔ کس قدر ذلیل قوم ہے تمھاری ......"۔

امام حسینؑ کی صاحبزادی نے کہا:

"جن لوگوں نے نصرت امام نہ کی وہ مردہ باد۔ جن لوگوں نے ان کی حفاظت نہ کی وہ تباہ ہو جائیں۔ تم لوگ لعنتِ خدا کے منتظر رہو۔ ظالموں پر لعنت —— تم اپنی آتشِ غم

ہیں جل مرو، تمہارے منہ ہیں خاک ــــ
اے خدا کے دشمنو ـــــــــ!"

تقریر و گفتگو کا اثر

خاموشی اور گھٹن کی فضا ہیں ان باتوں نے یزید کے بارے ہیں لوگوں کے ذہن کھول دیے، حواس باختہ و عقل ربودہ لوگ آنکھیں ملتے اٹھے، جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئے ہوں۔

باتیں ایسی تھیں جو سننے والوں سے مطالبہ کرتی تھیں ـــــ
کہ ــــ،
ذرا ان سے پوچھو تو ـــــ کہ،
تم ہو کون ـــــ؟
کہاں کے رہنے والے ہو ـــــ؟

اس طرح انھیں اپنے تعارف، حسب ونسب بیان کرنے کا موقعہ ملتا۔ کچھ باتیں ملامت اور حکومت کے راز فاش کرنے والی تھیں۔ جن کی بنیاد یہ سوالات تھے:

آخر تم نے کیا کیا جس کی سزا ہیں یہ تکلیفیں اٹھانا پڑیں ـــ؟
یہ بغاوت ہے ـــــ یا احتجاج ـــــ؟
سزا ہے ـــــ یا ظلم ـــــ؟

بھرے بازار و دربار میں تقریریں اور لوگوں کے سوالوں کے جوابات نے اب تک جو کچھ چھپایا گیا تھا، اسلام کے رہنماؤں کو بدنام کر کے عوام کو گمراہ کیا گیا تھا سب کچھ عیاں ہو گیا اور حکومت پر وہ ضرب کاری لگی کہ ایوان ہل گیا۔

یہ تقریریں اور گفتگوئیں اور نظریات کا اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔، خاص کر جب ان باتوں کا مقصد حق کا بیان اور حقیقت سے لوگوں کو باخبر کرنا اور باطل کو شکست دینا تھا۔ ذات کا شہرہ مقصود نہ تھا۔

دربارِ ابنِ زیاد میں

قیدیوں کو دربارِ ابنِ زیاد میں لے گئے۔ ابنِ زیاد کامیابی کے نشے میں مست ہو کر سوال و جواب کرنے لگا:

"یہ "خودسر" (نعوذ باللہ) خاتون کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"زینبؑ ــــــــ"

"تم نے اپنے بھائی کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیسا پایا ــــــــ؟"

فرمایا:

"مَارَأَيْتُ إِلَّا جَمِيلًا ...."

"میں نے خدا کا فیصلہ ہمیشہ بہتر و خوب تر ہی دیکھا ہے۔ یہ لوگ اس گروہ سے تھے جن کو اللہ نے شہادت کی عزت دی۔ یہ لوگ خود آگے بڑھ کر شہادت کی منزل تک گئے۔ یقین ہے کہ بہت جلد انصاف کا دن آئے گا اور خدا کے حضور مقدمہ کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ فتح یاب کون ہے ...."

یہ گفتگو ابنِ زیاد کے سر پہ پتھر بن کر گری۔ وہ پاگل ہو گیا اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا:

"یہ عورت علم غیب جانتی ہے، اس کے باپ بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔"

یہ کردارکشی کی ایک اور کوشش تھی۔

اس مسخرہ پن سے بھی کوئی کام نہ بنا ——— وہ مجبور ہو چکا تھا۔ اس نے قتل کا حکم دے دیا۔ مجمع نے شرم دلائی اور حکم واپس لینے پر مجبور کیا اور ابن زیاد نے حکم واپس لے لیا۔

یہ اس کی بڑی ناکامی تھی ———

آغازِ کلام میں اس نے امام زین العابدینؑ سے بھی اسی قسم کی بات کی تھی اور دندان شکن جواب سن کر وہی مجبوروں والا حکم "گردن زدنی" جاری کیا تھا۔ مگر حضرت زینبؑ نے جوابِ حکم میں فرمایا تھا:

"یہ کام تجھ سے نہیں ہو سکتا ——"

یہ جراأت مند خواتین، سنگدل افراد کے روبرو تھیں ـــ دفاعی وسائل موجود نہ تھے ——— عین اس حالت میں وہ دشمن کی بات کاٹتی اور عزیزوں کی شہادت کو احسانِ عظیم خدا جتاتی رہیں۔

زینبؑ کی قیادت میں یہ سب اس شخص کے سامنے کھڑی تھیں جس کے ناخن اور پنجے بہترین فرزندانِ اسلام کے خون سے آلودہ تھے۔ یہ خواتین بلند حوصلہ اور عزتِ نفس وخود اعتمادی کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ ایک لمحہ کے لیے ان کے چہرہ پر غم و اندوہ وشکست کی لہر نہ آئی تھی۔

ابنِ زیاد کو یہ امید نہ تھی ـــــ ابنِ زیاد سوچے بیٹھا تھا کہ ـــــ

ـــــ ستم رسیدہ ـــــ زخمی دل ـــــ

ـــــ اس کے سامنے آتے ہی اس کا دامن پکڑ لیں گی ، روئیں گی ،

فریاد کریں گی ـــــ رحم کی اپیل کریں گی ـــــ

مدینہ واپس جانے کی درخواست دیں گی ـــــ

معافی بھی مانگیں گی ـــــ واقعہ برعکس ہوا ـ

ان بیبیوں نے ابنِ زیاد کی موجودگی کا احساس ہی نہ کیا ـــــ انھوں نے بے توجہی اور نظرِ حقارت کی تلوار سے اس کے غرور کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

کلثوم و رباب

جناب کلثوم کی باتوں نے ابن زیاد کو بہت شرمندہ کیا ـــــ

ـــــ وہ کہہ رہی تھیں :

" اگر امام حسینؑ کے قتل سے تیری آنکھیں خوشی سے چمک رہی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اس واقعہ سے اشکبار ہیں ـــــ ! "

وہ لوگوں کو بتا رہی تھیں کہ ابن زیاد کا طریق کار پیغمبرؐ کے برخلاف ہے طریق و سیرتِ نبیؐ کی جہت اور ہے ـــــ اس ظالم کی سمت و جہت اور ہے۔

امرء القیس کی بیٹی ، امام حسینؑ کی زوجہ جناب رباب بھی امامؑ کے ساتھ کربلا میں حاضر تھیں اور اس وقت وہ زینبؑ کے ساتھ قیدی اور

شیرخوار —— علی اصغر۔ کے غم میں سوگوار ، ان کی بیٹی سکینہ بھی اسیری کی حالت میں پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں۔

امام حسین علیہ السلام سے رباب کی محبت شوہر کی بنیاد سے زیادہ امامت کے عقیدے پر قائم تھی ۔اسی لیے انھوں نے ابنِ زیاد کے دربار میں نم آلودہ آنکھوں سے سرِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے کہا :

" واحسینا ، فلا نسیت حسینا
اَقصدته اَسنّةُ الادعیاء
غادروه بکربلاء صریعا
لا سقی الله جانبی کربلاء "

" ہائے حسینؑ ، میں آپ کو کبھی نہ بھولوں گی۔آپ کو دشمنوں کے نیزوں ، کربلا کے میدان میں بے گوروکفن چھوڑ دیا .... "

قید وبند

ابنِ زیاد کو اب خیال آیا۔ یہ لوگ جتنی دیر اس کے دربار میں رہیں گے خطرہ بڑھتا جائے گا۔ عوام کے دل میں سوال ابھریں گے ، لوگ اعتراض کریں گے ۔ احتجاج بھی ہوسکتا ہے۔

ان خطرات سے بچنے کے لیے اس نے ان کو قید خانے بھیجنے کا حکم دے دیا —— مگر —— قیدیوں کو جو کرنا تھا وہ کرچکے تھے، ان کی حالت وگفتگو جس نے دیکھی اور سنی تھی وہ متاثر ہوچکے تھے۔ حکم ابن زیاد سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ احتجاج ہونے لگا۔ سر وسینہ پیٹنے لگے

وہ قیدیوں کے بارے میں اس احتجاج کی توقع نہ رکھتا تھا۔ مگر خواتین حوصلہ مند تھیں ـــــ دیکھنے والے تاب نہ لا سکے اور خاموشی کا وقت نہ تھا۔
ابن زیاد یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ صورت پیدا ہو گی ـــــ
وہ پیش بندی نہ کر سکا ـــــ
خواتین نے اپنا کردار ادا کر دیا ـــــ پیغامِ کربلا سنا دیا۔

خواتین کی نفسیات

دشمن چاہتا تھا انھیں تنبیہ و سرزنش کر کے، ان سے بے رخی برت کر۔ ان کو بدترین صورتِ حال سے دوچار کر کے ان کی نفسیات کمزور کر دے اور نالہ و فریاد، عاجزی و اظہارِ شکست پر مجبور کر دے۔ وہ دامن تھام کر توبہ کرنے لگیں۔

عورتوں کے حوصلے بہت بلند تھے ـــــ ان کے پائے استقلال میں کہیں لغزش نظر نہیں آتی تھی۔

آخر دشمن نے یہ تدبیر بھی کی ہو گی ـــــ
مختلف قسم کے خط لکھ کر قید خانے میں پھینکے ہوں گے ـــــ
جب تکبیر کی آوازیں آئیں تو سمجھ لینا کہ قتل ہونے والے ہو ـــــ!

موقع بے موقع تکبیر کی صدائیں بھی بلند کی ہوں گی ـــــ ایک پرزے پر لکھ کر پھینکا ہو گا:

"وصیتیں کر لو ـــــ، یزید کا حکم آتے ہی ابنِ زیاد اس کی تعمیل کرے گا۔"

اس قسم کے امکانات نے بعض خواتین کے ذہن میں شاید کچھ اثر کیا ہو
نسبتاً کم سن افراد شاید پریشان ہوئے ہوں ـــــ
لیکن ان باتوں کا کوئی بُرا ردعمل ظاہر نہیں ہوا ـــــ
جس کا مطلب یہ ہے کہ ـــــ
ان کی نفسیات کمزور نہیں ہوئیں ـــــ وہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم اور اپنا مشن آگے بڑھانے میں عزمِ استوار پر قائم تھیں۔
انھوں نے دشمن کا کھانا کھانے میں بھی پس و پیش کیا۔ انھوں نے آرام و آسائش کا مطالبہ، یا زحمت کا شکوہ نہیں کیا ـــــ وہ اپنے نصب العین پر قائم رہیں۔

خودداری

مصیبتوں کی شدت سے جذبات مردہ اور غم و اندوہ سے طبیعتیں نڈھال ہونے کے باوجود، دشمن کے مقابلے میں اپنی سربلندی ـــــ اپنی فتح مندی ـــــ اور اپنی عظمت ثابت کرنے کے لیے اپنی رفتار و گفتار میں لچک اور ضعف کا سایہ نہ پڑنے دیا ـــــ دل شکستگی و کم ہمتی کا اثر نہ آنے دیا۔
دشمن کا دباؤ جتنا بڑھتا جاتا تھا ان کا حوصلہ اتنا ہی استوار ہوتا جاتا تھا۔
ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ حسینؑ سے سبق سیکھ چکی ہیں ـــــ
وہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں:

"هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة۔"

توبہ توبہ، ہم اور رسوائی، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قید کے عالم میں یہ خواتین ظلم و ستم کی منتظر تھیں، انھیں آفتوں اور بلاؤں میں زیادتی کی امید تھی ——— وہ تیار تھیں، جو بھی ہوگا ہم پوری دلیری و جرأت سے اس کا سامنا کریں گے۔

زندگی کی کشاکش میں صبر کی باگ ڈور نہ چھوڑیں گے ———

——— ذلت و عاجزی و ناامیدی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیں گے۔

وہ انتہائی غم و اندوہ کے عالم میں بھی، اللہ کے بارے میں بات چیت، اور دین کے سلسلے میں گفتگو کرتی تھیں ———

اپنے حوالے سے نہیں ———

مثلاً ——— :

"ظالموں کا نتیجہ بُرا ہے ——— ستم گر، یہ نہ
سمجھیں کہ اللہ ان کے کرتوتوں سے غافل ہے،
اللہ نے ان کو ڈھیل دی ہے . . . . "

یہ سب قرآن و حدیث کے حوالے سے تھا ———

کبھی اپنی بھوک پیاس کی بات نہیں کی ——— اپنی بے خوابی و بے آرامی اور قید کے دکھوں کا شکوہ نہیں کیا۔

کچھ اور خواتین

تاریخ کربلا میں اگر ہم ان خواتین کو بھی سامنے رکھیں تو بہتر ہے جو اصل واقعہ میں حصّہ دار تو نہیں، مگر موقع بموقع ہمدردانہ رویے دکھاتی رہی ہیں۔

خولی کی بیوی ——— جب سے اس نے امام حسین علیہ السّلام کا سرِ مبارک تنّور میں رکھے دیکھا۔ اس وقت سے مرتے دم تک بالوں میں کنگھی

نہیں کی۔

عبداللہ بن عفیف کی بیٹی ——— باپ نے اہلِ بیتؑ کی حمایت میں ابنِ زیاد کو جھڑکا۔ اس نے باپ کو سہارا دیا۔ ابنِ زیاد نے ابن عفیف کو سزا دی اور گھر پر حملہ کیا تو اس دلیر بیٹی نے نابینا باپ کی مدد کی اور اولادِ پیمبرؐ کا ساتھ دیا ——— اس نے کہا:

"کاش میں مرد ہوتی کہ اہلِ بیتِ رسولؐ اور اپنے نابینا والد کا دفاع کرتی اور تمھارے حملے کا جواب دیتی۔"

کوفہ سے شام تک اس قسم کی عورتیں، راستوں میں، گھریلو اجتماعات میں، کوچہ و بازار میں، حتیٰ کہ تماشا دیکھنے والیوں میں کم و زیاد موجود تھیں۔ بعض خواتین نے بڑے نازک موقعوں پر اہل بیتؑ کی مدد میں اپنی جان خطرے میں بھی محسوس کی مگر حسبِ امکان خدمت کی۔

قید کا نتیجہ

خواتین کوفے کے قید خانے میں چند روز رہیں ——— معینہ مدّت پوری ہونے سے پہلے ان کا شام بھیجنا بہت ضروری سمجھا گیا ——— کیونکہ،

جتنے دن گزرے تھے ان میں قیدیوں نے کسی قسم کے جھکاؤ اور سپردگی کا اشارہ نہ دیا ———

ادھر کوفے میں انقلابی رجحانات کی بنیاد مضبوط ہو رہی تھی۔ ابن زیاد کے نزدیک اب ان قیدیوں کو بہرحال کوفے نہ ٹھہرنا چاہیئے تھا۔

خطرے سے بچنے کی خاطر ـــــــ انقلاب کو ٹالنے کے لیے ـــ وقت سے پہلے ان خواتین کو شام بھیج تو دیا ـــــــ

لیکن ـــ ،

یہ پیش بندی بھی فائدہ مند نہ ہوئی ـــــــ ؛

کوفہ اب یزیدیوں کے خلاف اٹھ چکا تھا۔ انقلاب کی لہر دوڑ چکی تھی۔ بس ایک آدمی کے سامنے آنے کی دیر تھی ـــــ

چنانچہ ،

توابین کے اقدامات ـــــ اور ـــــ مختار کا انقلاب ...

...... اسی کے مظاہر تھے جو تاریخ نے دیکھے۔

ـــــــ ⁂ ـــــــ

شامی عوام تقریباً چالیس سال سے ـــــــــ
اہلِ بیتِ رسولؐ ـــــــ
کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھے ـــــــ
حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو بُرا بھلا کہنا اور سمجھنا عام تھا۔
خود کلمہ گو ہونے کے باوجود ـــــــ
انھیں غیر مسلم سمجھتے تھے ـــــــ
وہ قنوت میں ان پر تبرّا کیا کرتے تھے۔
یہ لمحہ ان کی خوشی کا تھا ـــــــ کہ ایسے شخص کا بیٹا
مارا گیا ـــــــ خاندان قید ہوا ـــــــ!

لیکن ـــــــ
کچھ عرصے سے ان کی آنکھیں کھُل رہی تھیں ـــــــ
ان قیدیوں کے بارے میں ـــــــ
ان کے خیالات ـــــــ
بدل رہے تھے۔ بنی امیہ کا پروپیگنڈا بالکل جھوٹ
اور قطعی طور پر غلط ثابت ہو رہا تھا ـــــــ
ابھی وہ کچھ اور جاننا چاہتے تھے۔

آٹھواں حصّہ

کوفے سے شام تک

پیام کی علم بردار

بچے کھچے قیدی، عورتیں اور بچے امام زین العابدین ؑ کے ساتھ شہر بہ شہر، منزل بہ منزل چلنے اور راستوں کی تکان، ابنِ زیاد کے آدمیوں کی سختیاں اور یزید کے نوکروں کے ظلم برداشت کرتے شام پہنچے۔

ان قیدیوں نے جو کردار اختیار کیا اس سے صاف نظر آتا تھا کہ ہر ایک خاتون کسی خاص ذمہ داری کی حامل، ایک پیام کی علمبردار ہے۔ مگر مجموعی طور پر سب ایک مقصد، ایک نصب العین اور ایک راہ کے رہرو ہیں۔

اس قافلے نے کیا کام انجام دیا ______؟

لوگوں میں کس قدر وسعتِ نظر پیدا کی ______؟

عوام کو کیا اطلاعات بہم پہنچائیں ______؟

کس قسم کے اقدامات کیے ______؟

دشمن کو سرِ عام کتنا رسوا کیا ______؟

قیدیوں کی حالت کچھ ایسی تھی کہ لوگ حیرت و حسرت سے دیکھتے اور ان کا

ماجرا سُن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ان میں کوئی بی بی کسی شہید کی ماں تھی ــــــ کوئی بہن ــــــ کوئی زوجہ تھی، ان سب کے وارث شہید ہو چکے تھے ــــــ کسی نے ایک شہید، کسی نے دو، کسی نے تین شہید راہِ خدا میں دیے تھے۔ انھیں اگر کبھی رونا بھی آتا تو سراپا اشک بن جاتی تھیں۔

ان کی یہ حالت، واقعاتِ کربلا کو ایک نیا رنگ دیتی، احساسات کو ابھارتی ــــــ

ہمدردیاں حاصل کرتی اور امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کا پروپیگنڈا اور اس کی اہمیت بھی ثابت کرتی تھی۔

ان کی باتیں

ان خواتین کی زبان فصیح و بلیغ، بات دل میں اُتر جانے والی گہری اور دشمن کے لیے دندان شکن ــــــ انھوں نے یزید سے کہا تھا:

"تو ہمیں ہرگز ختم نہیں کر سکتا ــــــ ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے نہیں نکال سکتا حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا خون اپنے دامن سے نہیں چھڑا سکتا۔ آج کا دن تیرا ہے، اس کے بعد ہمارے دن ہوں گے۔ بڑا خطرناک کام تم نے کیا ہے۔ تمھیں شرمندگی کے آنسو بہانا چاہیے ــــــ روؤ ...."

ان کی باتوں میں اکثر نصیحت و رہنمائی ہوتی۔ وہ بھی امت کی خیر خواہی، عزیمت کے تیور لیے ہوئے مثلاً:

جرأت نمائی

خواتینِ کربلا کی دلیری وجرأت پر ہم کئی مرتبہ توجہ دلا چکے ہیں۔ انھوں نے یزید کی بالادستی مسترد کرنے میں جو کوشش کی ہے یہاں اس پر بھی نظر ڈال لیجیے۔

انتہائی ضرورت سے کم غذا دی جاتی رہی ، سفر کی ناتوانی —— گردن اور بازوؤں سے بندھے ہوئے ہاتھوں کے باوجود مسلح دشمن کے سامنے اعتراضات بھی کر رہی تھیں۔ اور گفتگو بھی ، کسی خوف وہراس کا نام اور کسی کمزوری کا نشان نہ تھا۔

غم واندوہ کی جس فراوانی میں صبر وشجاعت کا مظاہرہ کیا ہے وہ ضرب المثل ہے —— نہایت تحمل کے ساتھ دین مقدس کا دفاع کیا —— معاویہ شاہی کی صورت دکھائی ——

ہم قید وبند سے نہیں ڈرتے ،

دربدری ہمارے مقصد میں رکاوٹ نہیں ——

—— سب پر روشن کر دیا ——

یہ روشن ضمیر عورتیں ، امام حسین علیہ السلام کے مقاصد کو جامۂ عمل پہنانے میں کامیاب ہوئیں راستے کے پیچ وخم انھیں منزل سے نہ موڑ سکے۔ دشمن پر اپنی برتری اور کرامت ثابت کر کے رہیں۔

دل وجان پر کھیل کر دین کا قلعہ مستحکم کر گئیں —— دنیا کی دل فریبیاں ان کے قدم نہ ڈگمگا سکیں۔

اور —— باطل کی نویدیں ان کے ارادوں میں رخنہ نہ ڈال سکیں۔

ہم آہنگی

خواتین کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے راستے بھر اور زمانۂ اسیری میں باہمی تعاون و ہم آہنگی کو برقرار رکھا۔ ان کی فکری یکسانیت شاندار انداز میں نمایاں تھی۔ سب کے دلوں پر داغ تھے، اس کے باوجود سب ایک دوسری کا غم بانٹتیں اور ایک دوسری کو تسلی دیتی دلاتی رہیں۔

چھوٹے چھوٹے بچّے دشمن کو شرمندہ کرنے میں بازی لے گئے۔ کم سن تھے مگر ذہانت و جرأت میں بڑوں کے ہم پلّہ،

جرأت آفرینی میں مثال ـــــــ

ایک بچّے نے درخت میں اپنے باپ کا سر لٹکے ہوئے دیکھ لیا، دبے پاؤں، دشمن کی آنکھ بچا کر درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ وہ ابھی کھڑا ہی ہوا تھا کہ دشمن جھپٹا اور بچہ پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ دشمن واپس چلا تو بچہ پھر باپ کا سر دیکھنے کھڑا ہو گیا۔ جرأت و ہمت، ذکاوت و ذہانت سے مقصد تک پہنچنے کی یہ کوشش بڑوں کی فکری ہم آہنگی کا نتیجہ تھی۔

مجبوریاں اور راستے کی تکلیفیں

کوفے سے شام تک، خواتین و اطفال کے لیے راستہ طے کرنا بہت مشکل تھا ـــــــ،

خاص کر جب دشمن،

عوام کے ڈر سے مجبور ہو کر رات بھر سفر کراتے تھے؛

بچّے سو جاتے اور کبھی کبھی اونٹ سے گر جاتے تھے ــــ!

کچھ دیر بعد جب دشمن کو خیال آتا تو بچّے کو لینے جاتا تھا ــــ

ــــ اس تھکن کا غصّہ بچّے پر اُترتا اور برا بھلا کہتا ــــ طمانچے مارتا تھا ــــ

حلب و دمشق کے درمیان امامؑ کی حرم کا بچّہ شکم سا قط ہوا۔ اس کا نام محسن رکھا گیا ــــ چونکہ ایسی سواری اور ایسے سفر کی عادت نہ تھی اس لیے کسی خاتون کے پیر چھل گئے ....

سب کچھ دکھ تھے مگر ان عورتوں نے بڑی دل جمعی و بے فکری سے ان مشکلوں اور تکلیفوں کو برداشت کیا۔

شام میں پہنچنا

دکھ جھیلتی، اذیتیں اٹھاتی یہ بیبیاں آخر کار شام پہنچیں۔ یہاں پہلے سے انتظام تھے لہٰذا ایک مجمع ان کا تماشا دیکھنے راستوں میں خوشیاں مناتا باجے بجاتا کھڑا تھا۔ ان میں کچھ لوگوں نے منّت مانی تھی کہ اگر یزید کے خلاف اٹھنے والا مارا گیا تو وہ اس خوشی میں پندرہ اونٹ قربان کر کے راہ خدا میں بانٹیں گے ــــ یہ بھی ہوا ــــ

عورتوں کی لبشدّت یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے تئیں چھپالیں کہ لوگوں کی ان پر نظر نہ پڑے ــــ

دشمن کہتے تھے چہرے کھلے رہیں کہ لوگ تماشا دیکھیں۔

امّ کلثومؑ نے شمر سے کہا:

"ہمیں ایسے دروازے سے اندر لے چل جہاں

زیادہ بھیڑ نہ ہو، شہیدوں کے سر محملوں سے ذرا
آگے کر دے کہ لوگوں کی توجہ ادھر ہو جائے اور
خواتین کا خیال نہ کر سکیں۔"
شمر نے اس کے برعکس کیا ——————!
کچھ دیر بعد ان کے سروں سے مقنعہ (پردہ) کھینچ لیا گیا۔ لڑکیوں اور خواتین
نے ہاتھوں، آستینوں اور دامنوں سے منہ ڈھانک لیے ——— تماشائی
انھیں خارجی (دین سے باہر) سمجھ رہے تھے۔
عورتوں کا یہ خالص انداز ان کے لیے حیرت خیز تھا۔
لمحہ بہ لمحہ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا ——— اور ——— یزید و
بنی امیہ اور حکومت ان کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہوتی گئی۔

حضرت زینبؑ کا کردار و عمل

حضرت زینب سلام اللہ علیہا، تنِ تنہا ——— اپنے بھائی امام حسینؑ
کی پوری صلاحیت رکھتی تھیں، وہی نظریاتی نعرہ دُہرا سکتی تھیں
"ھیہات مِنّا الذلّۃ ———"
"بھلا ہم اور ذلت ———"
بشیر ابن خزیم کے بقول:
"یوں تقریر کر رہی تھیں جیسے حضرت امیر المومنینؑ
کی زبانِ زلزلہ افگن بول رہی ہو۔ وہ بول
رہی تھیں اور لوگوں کی سانس سینوں میں

رک رہی تھی ۔ خطبہ سننے والے ایک دوسرے
سے کہہ رہے تھے ۔ خدا کی قسم ! زندگی میں ایسی
فصاحت و بلاغت اور قدرتِ سخن رکھنے
والی خاتون نہ دیکھی نہ سنی ۔

زینب ؑ اپنے بھائی کے فلسفے اور امام زین العابدین ؑ کے مشورے سے اسیروں کے قافلے کا طریق کار معین کرتی تھیں ——— وہی ہر منزل پر تبلیغ کی خدمت انجام دیتی تھیں ——— ظلم کی مذمت کرتیں ——— شہادت کو سرمایۂ افتخار بتاتی تھیں ——— دشمن کی بدکرداری و ذلت وحقارت کو عیاں فرماتی تھیں ، دوسری خواتین کی کارکردگی پر نظر رکھتی تھیں ۔

بیمار امام ؑ کی دیکھ بھال بھی حضرت زینب کا کام تھا ۔ امام زین العابدین علیہ السلام کربلا سے بیمار چلے ، راستے کی اذیتوں نے اور نڈھال کر دیا تھا ۔ حضرت زینب ؑ ان کی تیمار داری کے ساتھ ساتھ متوقع خطرات سے حفاظت کا بھی خیال رکھتی تھیں ۔

شام کے جس کھنڈر میں قیدی رکھے گئے تھے ، ایک دن امام ؑ کے چاہنے والے " منہال " کسی طرح پہنچ گئے اور امام ؑ سے باتیں کرنے لگے ۔ زینب ؑ نے محسوس کیا کہ اگر دشمن نے دیکھ لیا تو نقصان پہنچائے گا ۔ شہزادی نے آگے بڑھ کر احتیاط سے بھتیجے کو اٹھایا اور کونے میں لا کر بٹھا دیا ——— ،
دشمن کی نظر سے دور ———

قید خانہ

کربلا کے قیدی شام کے ایسے زندان میں رکھے گئے جو کھنڈر تھا ۔ نہ

دن کی دھوپ نہ رات کی ہوا، خستہ و بوسیدہ در و دیوار، قصرِ یزید سے قریب ایسے کھنڈر میں قید کرنے کا مقصد اسیروں کی نفسیات کو متاثر کرنا تھا تاکہ انھیں اپنی بے بسی اور یزید کے اقتدار کا یقین ہو جائے۔

دربارِ یزید

قیدی کچھ دن کھنڈر میں رہے اور خادمانِ دربار نے اجلاس کی تیاریاں کرلیں۔ دولت مند شہری، متعدد سفرا، غیر ملکی مہمان اور فوجی و غیر فوجی ملازمین کے نام دعوت نامے بھیجے گئے۔

مقرر دن اور معیّن وقت پر جاہ و جلال کا مظاہرہ ہوا ـــــــ

ـــــــ دربار آراستہ ـــــــ یزید کرسی پر ـــــــ حشم و خدم دائیں بائیں ـــــــ

آلِ رسولؐ بحالِ تباہ، قیدیوں کی حالت میں رسن بستہ، یتیم بچے اور بچیاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نواسیاں زنجیروں میں جکڑی ہوئی، امام زین العابدینؑ دربار میں طلب ہوئے۔

ان لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار اور نہ جانے پر اصرار کر کے اپنی خودداری ثابت کی۔ مگر دربار میں انھیں بھی ایک پیام دینا تھا ـــــــ ظالم زبردستی لے گئے۔

یزید مست و مغرور، تخت پر، ـــــ اور سر امام حسینؑ طشتِ طلا میں سامنے رکھا تھا ـــــــ قیدی سامنے کھڑے تھے۔ ایک نوکر آلِ رسولؐ کا تعارف کرا رہا تھا۔

امام زین العابدینؑ نے پہل کی:

"یزید! تیرا خیال کیا ہے، اگر رسول اللہؐ
ہمیں اس حال میں دیکھ لیں تو کیا ہو؟"

یزید شرمندہ ہو گیا ——— قیدیوں کی رسیاں کھل گئیں۔

خاتونِ معظم، قائد قافلۂ احرار، حاملِ اسرارِ شہادت، زینبؑ صلوات اللہ علیہا نے گفتگو شروع کی اور شرم آفریں حقائق کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول کرائی:

"تیرا خیال ہے کہ زمین و آسمان کے راستے تو
نے ہم پر بند کر دیے؟ فرعونیت و غرور
کے عالم میں فتح کی خوشیاں منا رہا ہے؟
یہ عدل و انصاف ہے کہ اپنی خواتین کو حرم سرا
کی چار دیواری اور پردے میں رکھا ہے اور
دخترانِ پیغمبرؐ کو اس حالت میں سرِ دربار کھڑا کیا
ہے؟ جس نے ہمارے شہیدوں کے کلیجے چبائے
ہوں اس سے اور کیا امید رکھی جا سکتی ہے؟
تو اپنے اس کام کو صحیح اور آبرومندانہ سمجھتا ہے
؟......."

خاتونِ معظم کے خطبے اور جواب طلبی نے یزید کے حواس اڑا دیے۔ مسرتوں کو خاک میں ملا دیا۔ ستم گری کی مستی اور فتح و پیروزی کا نشہ ہرن ہو گیا۔

خطبہ سن کر یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ بولنے والی داغدار دل اور سوگوار فکر سے بول رہی ہے۔ لہجہ کی گرج اور بولوں کا زور بتا رہا ہے کہ خطیبہ کرب سے آزاد ہو کر ایک بامقصد پیام لوگوں تک پہنچا رہی ہے۔

ایک شامی کی درخواست

دربار میں ایک شامی نے امام حسینؑ کی صاحبزادی .... یزید سے مانگی ۔ شامی اسے خدمتگار بنانا چاہتا تھا ۔ بچی گھبرا کر بہن کی طرف مدد اور پناہ کے لیے لپکی :

"کیا میں اس شخص کی نوکر بنوں گی ؟ "

زینبؑ نے سہارا دیا ۔ فرمایا :

" نہ ڈرو ـــــــ اس شخص کے لیے یہ کام ممکن نہیں ـــــــ "

یزید بولا :

" اگر میں چاہوں تو ہو سکتا ہے ـــــــ "

حضرت زینبؑ نے اپنے مشن اور مقصد کے مطابق بات کہی :

" ایسی صورت میں دینِ اسلام سے نکل جائے گا ۔ "

یزید نے کہا :

" (معاذاللہ) تمھارے باپ اور بھائی دین سے .... ! "

شہزادی نے جواب دیا :

" اگر تو مسلمان ہے تو خوب جانتا ہوگا کہ میرے جد و پدر و برادر کے دین ہی کی دعوت سب کو دی گئی ہے ـــــــ "

بڑا معنی خیز جواب تھا ۔

یزید کی منطق اور استدلال، زینبؑ کے مقابلہ میں ختم ہوچکا تھا۔ وہ شہزادی کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ جب بھی انسان غلط اور بے اصول ہو جائے تو، دشنام طرازی اور زبان درازی پر اتر آتا ہے یا تھک کر چُپ ہو جاتا ہے۔

یزید فطرتاً بُرا تھا ——— وہ چُپ نہ ہوا تو زینبؑ نے عجیب لہجے میں کہا:

"ٹھیک ہے، تو کرسی نشین ہے، حکومت پر مسلّط ہے۔ طاقت کے سہارے بدزبانی کر سکتا ہے۔

یزید! مصیبتوں نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم تجھ سے بات کر رہے ہیں۔ ورنہ تو ہماری نظر میں بہت حقیر اور چھوٹا آدمی ہے۔ ایک مرتبہ پھر میں تجھے تنبیہ کرتی ہوں ——— تعجب خیز بات یہ ہے کہ اتنے پاک نجیب افراد شیطانی گروہ کے ہاتھوں مارے گئے......"

وہ شامی اپنے مطالبے سے دستبردار نہ ہوا۔ اس نے دوبارہ یزید سے وہی مطالبہ کیا ——— یزید ابھی اس بارے میں رسوا ہو چکا تھا۔ شامی کی بات سُن کر چیخ اٹھا:

"خدا تجھے اور تیری آرزو کو تباہ کرے!"

ایک بچّی کی موت

امام حسینؑ کی اولاد میں تین چار سال کی ایک صاحبزادی تھی، جسے

بابا سے محبت اور بے حد الفت تھی۔ دن دن بھر خرابے میں بیٹھی راستہ میں آنے جانے والے آدمیوں کو دیکھتی رہتی تھی۔ ایک دن پھوپھی سے پوچھنے لگی:

"یہ لوگ اپنے بچوں کو لے کر کہاں جاتے ہیں؟"

جواب ملا:

"اپنے گھر جاتے ہیں ——————"

"کیا ہمارا گھر نہیں ہے ؟ کیا ...... کیا.."

بچوں کو باپ کی انگلی پکڑے دیکھ کر اس کے خیالات میں ایک تحریک ہوئی —— اس نے رات کو اپنے بابا کو دیکھا —— خواب دیکھتے دیکھتے اٹھی اور اپنے بابا کو ڈھونڈنے لگی۔

کم سنی کا تقاضہ کہ ضد شروع کر دی۔ یزید سو رہا تھا۔ بچے کے شور و غل کی اسے اطلاع دی گئی۔ وہ اٹھا اور حکم دیا کہ:

"اس کے بابا کا سر اس کی گود میں دے دیا جائے تاکہ اسے اطمینان ہو۔"

بچی نے سر دیکھا۔ اس کی بے تابی بڑھ گئی، وہ رو رہی تھی، اب تڑپنے لگی —— کچھ دیر بعد خاموش ہو گئی۔

عورتیں سمجھیں کہ بچی تھک کر سو گئی ہے۔ انھیں کچھ خوشی ہوئی —— لیکن معاملات کی نگہبان زینبؑ کسی اور خیال میں تھیں، وہ بچی کے سرہانے گئیں، دیکھا تو اس کا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس لڑکی کی موت نے کربلا کی مصیبت تازہ کر دی۔ سب رونے لگے۔ آخر کار اسی خرابہ میں غسل و کفن دے کر دفن کر دیا۔ خواتین نے اس کا سوگ منایا اور اس واقعہ نے یزید کے نامۂ عمل میں ایک اور سیاہ ورق بڑھا دیا۔

سفرِ شام کا نتیجہ

قیدیوں کا شام لے جایا جانا، یزید کی برتری و مسرت کی بجائے اس کی زیادہ سے زیادہ رسوائی اور بدنامی کا سبب ہوا۔

شامی عوام تقریباً چالیس سال سے اہلبیتِ رسولؐ کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھے ——— حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو بُرا بھلا کہنا اور سمجھنا عام تھا ——— خود کلمہ گو ہونے کے باوجود، انھیں غیر مسلم سمجھتے تھے۔ وہ قنوت میں ان پر تبرّا کیا کرتے تھے۔

یہ لمحہ ان کی خوشی کا تھا کہ ایسے شخص کا بیٹا مارا گیا ———
خاندان قید ہوا ———،
لیکن ——— کچھ عرصے سے ان کی آنکھیں کھل رہی تھیں ——— ان قیدیوں کے بارے میں ان کے خیالات بدل رہے تھے۔

بنی امیہ کا پروپیگنڈا بالکل جھوٹ اور قطعی طور پر غلط ثابت ہو رہا تھا ———؛
ابھی وہ کچھ اور جاننا چاہتے تھے۔

صورتِ حال یزید کے لیے خطرناک تھی، سلطنت کی بنیاد ہل رہی تھی ——— خود اس کے گھر کے اندر کھلبلی کے آثار تھے۔ اس نے صلاح دید کے بعد اسیروں کو شام سے رخصت کرنے کا فیصلہ کیا۔

بہتر یہی سمجھا کہ معافی کا اعلان کر کے سب کو مدینے واپس کر دے ——— اسی سوچ بچار میں عرصہ گزر گیا۔

حالات بگڑ گئے۔ گھر کے افراد مخالف ہو گئے۔ اس کی سرزنش

ہونے لگی ـــــــ اس کے کرتوت کو غیر شریفانہ قرار دیا گیا۔

احتجاج ہونے لگا ـــــــ ،

اس بنا پر خاندانِ امام حسینؑ کی اسیری یزید کو مہنگی پڑی۔ ایسے آثار نظر آنے لگے جو مستقبل قریب میں انقلاب کی خبر دے رہے تھے۔

یزید نے اس منصوبے سے میٹھا پھل اور خوشبو دار پھول توڑنے کے بجائے اپنے سر پر عذاب مول لے لیا۔

اس نے اہل بیتؑ کو مدینے واپس بھیجنے کا حکم شرمندگی یا رحم دلی کی وجہ سے نہیں دیا ـــــــ ،

بلکہ ـــ

اس کا بڑا سبب خود اپنی جان بچانے اور حکومت سے دل سوزی کی بنا پر تھا ـــــ ؛

ـــــ ✳ ـــــ

انھوں نے انقلاب کی بنیادیں رکھیں ———

یزید کے ہاتھوں اسلام اور فرزندانِ اسلام کو ———
جو نقصان پہنچا تھا ———
اس کی ———
تفصیل بتائی ——
وہ نصب العین کی بات اور مقصد پر قربانی دینے والوں
کی داستان بیان کرتی تھیں۔
اس ضمن میں خود اپنے اوپر بیتی ہوئی کہانیاں ———
اور ———
جہادِ راہ حق میں پیش آنے والے امتحانات کی ———
رپورٹ سناتی تھیں ——
کیسی کیسی بھوک اور پیاس گزری ہے ——
دشمن کی حقارت اور اپنی استقامت کے تذکروں سے ـــ
تاریخ کی تشنگی بجھاتی ——
اور اندھیری راتوں میں روشن چراغ رکھتی ———
انقلاب کے شعلے بھڑکاتی چلی جاتی تھیں ———

نواں حصّہ

شام کے بعد مشن جاری رہا

امام حسینؑ کے پسماندہ افراد ، دبستانِ فلسفۂ رسالت کے تربیت یافتہ لوگ تھے ۔ان لوگوں نے اتنی سخت مصیبت اور اتنے بڑے دباؤ کے باوجود اپنے اندر ابھری ہوئی روحِ انقلاب کی حفاظت کی اور اس مشن کو آگے بڑھانے کی مہم میں مصروف رہے ۔

دشمن چاہتا تھا کہ امام کو قتل کر کے ـــــــــ بقول اس کے

فتنہ ـــــــــ ہاں !

امت میں پھیلے ہوئے فتنے ، بے چینی اور اضطراب کی جڑ اکھیڑ دے گا ـــــــــ مگر ـــــــــ

ان خواتین نے صدائے انقلاب کو دنیا جہان کے گوشے گوشے میں پھیلا کر اس منصوبے کے سامنے رکاوٹ کھڑی کر دی ۔

کربلا کا خاموش قبرستان ، انقلاب آفرین غلغلہ بن گیا ۔ یہ غم نصیب عورتیں کتنا بڑا مشن پورا کر گئیں ۔ شہادتِ کربلا اس نقطۂ نظر سے غم آفریں ہے کہ عزیزانِ اسلام و اولادِ رسولؐ و اصحابِ باوفا قتل کیے گئے اور اس نقطۂ نظر سے قابلِ تحسین ہے کہ اس شہادت سے اسلام زندہ و پائندہ ہو گیا ۔

خبروں کی اشاعت

مٹھی بھر قیدیوں سے دشمن بوکھلا گیا ۔ نہ کوفے میں ان پر کنٹرول کر سکا نہ دمشق میں ، نہ کھنڈر انھیں خاموش رکھ سکا نہ قید خانہ ——

اس نے فیصلہ کیا ——

انھیں شام سے نکال دے اور مدینہ بھیج دے ۔

یہ تدبیر بھی غلط نکلی —— وہ دارالسلطنتِ یزید میں پیامِ انقلاب عام کر چکے تھے ۔ صبر و تحمل ، مضبوط و استوار عزیمت کے ساتھ خبریں پھیلا چکے تھے ۔ یوں تھوڑے ہی عرصے میں سب خبریں عراق کے مرکز کوفے سے شام کے مرکز دمشق اور وہاں سے حجاز تک پہنچ چکی تھیں ۔

مدینہ میں آشوب آ چکا تھا ۔ صدائے گریہ و بُکا بلند تھی ۔ لوگ احتجاج کرتے ہوئے باہر نکل آئے تھے ۔ عوام بڑی بے چینی سے عزاداری کر رہے تھے ۔

امامؑ کی شہادت کو اچھے خاصے دن گزر چکے تھے مگر واقعہ کی شدت اور حرارت میں کمی نہ آئی تھی —— انقلاب و انتقام کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں ۔

خواتین کی نفیس منصوبہ بندی اور محنت سے خبریں پھیلیں ۔ اور سب سے بڑی بات خواتین کا یزید کے ساتھ رویے کا معاملہ تھا —— دربار میں سفیروں اور عمائدینِ ملک اور مہمانوں کے سامنے وہ عظیم کردار ادا کیا جس نے ادیبوں خطیبوں اور شاعروں کو ایک نیا موضوعِ فکر و بیان دے دیا ۔

دشمن نے خبروں کو توڑ مروڑ کر شائع کرنے کی جتنی کوشش کی اور جتنا زور صرف کیا خبر نگاروں ، رپورٹروں ، دربار کے چشم دید گواہوں اور

راویوں پر اس کا اثر اُلٹا ہوتا تھا۔ لوگ یزید کے حق میں پروپیگنڈے پر تیار نہ تھے ———

مؤرخین ، محدثین اور شعرا نے یزید کو جارح قرار دیا ——— انھوں نے اس بارے میں مشاہدات و حقائق پر مبنی اپنے تاثرات کا اظہار شروع کر دیا تھا۔

سفرِ مدینہ کی تیاری

عوام کے فکری دباؤ سے مجبور ہو کر یزید نے اعلان کر دیا ———

"حسینؑ کو نہ میں نے قتل کیا نہ ابنِ زیاد کو حکم قتل دیا۔ جو کچھ ہوا وہ ابن زیاد کی خودسری کا نتیجہ ہے۔"

اس خبر سے ابن زیاد مشتعل ہو گیا۔ اس نے بھی صاف صاف کہنا شروع کیا ———:

"یزید جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے خود مجھے قتلِ امامؑ کا حکم دیا ہے۔"

یہ بحث جواب و جواب الجواب سے ردّ و قدح اور لعن طعن تک پہنچی۔ یزید نے اپنی برّیت اور صاف نیتی جتانے کے لیے خواتین کی رہائی اور مدینے بھیجنے کا اعلان کیا۔

مگر جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ یزید کا یہ اقدام مجبوری و کمزوری کے طور پر تھا ——— دراصل وہ نتائج سے بچنا اور پریشانیوں سے بھاگنا چاہتا تھا ———!

اہلِ بیتؑ سفرِ اسیری کے برعکس، کجاوہ و عماری سے آراستہ ناقوں پر اچھے اہتمام کے ساتھ مدینے چلے۔

یزید نے دکھاوے کے لیے بظاہر عورتوں سے اور امام زین العابدین علیہ السلام سے عذر خواہی بھی کی اور بڑا احترام کیا۔

اربعین

سفر کے دوران قافلہ کربلا اور مدینے کے دوراہے پر پہنچا۔ خواتین نے فیصلہ کیا کہ شہیدوں کے مزاروں کی زیارت اور ان سے تجدیدِ عہد کریں گی، اس سے انھیں نئی توانائی اور نئی قوت حاصل ہوگی۔ مگر ان کے پہنچنے سے پہلے جابر بن عبداللہ انصاری رضوان اللہ علیہ، نابینائے روشن دل، مزار کی زیارت کے لیے پہنچ چکے تھے۔

اس دن عورتوں نے کس قیامت کی عزاداری کی ہے، کس قدر آنسو اور کیسے کیسے بَین اور کیا دردانگیز نوحے پڑھے ہیں۔ جن سے دلوں کو نئی زندگی ملی۔ یہ زیارت دراصل امام سے تجدیدِ بیعت تھی۔ وہ اپنے آیندہ فرائض اور مشن کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں گی اور بنی امیہ کی حکومت کے خاتمے تک۔ اصولاً ہر ظالم اقتدار کے خلاف ـــــ یہ انقلاب جاری رکھیں گے۔

چہلم کے روز، زیارت و تجدیدِ عہد کے رسوم انجام دیے گئے اور قافلہ تین دن رات ٹھہرنے کے بعد راہیٔ مدینہ ہوا ـــــ

راستے کا پروگرام یہ تھا:

حقائق سے نقاب کشائی ـــــ واقعات کی تشہیر ـــــ اخبار رسانی، آنے والے خطرات سے آگاہی کا اہتمام ـــــ عوام کو انقلاب کے لیے تیار کرنا۔ خواتین جس شہر و دیہات سے گزریں۔ اپنے مسائل اور اپنے مقاصد

عزاداری

مدینے میں فاتحہ و تعزیت کی مجلسیں شروع ہوگئیں۔ سوگواری کی مجلسیں یعنی حقائق کھولنے یا دوسرے لفظوں میں حکومت سے جواب طلبی کے اجتماعات —— شہیدوں کی یاد تازہ رکھنے کی رسم —— دبستانِ فکر و نظر کا احیاء —— امت کے دکھ درد کی بات —— اور اسلامی مسائل پر گفتگو ....

حقائق کا بیان

یعنی ان دنوں کوئی ایسی تنظیم نہ تھی جو اصل واقعات نقل کرے۔ اصل واقعات بیان کرنا بہت خطرناک کام تھا۔

یہ لوگ پیاس کی بات کرتے تھے۔ وہ بھی اپنی پیاس —— اور مظلومیت کے بجائے ظالم دشمن کی بدفطرتی اور کم ظرفی پر روشنی ڈالنے کے لیے —— اس کی کم ظرفی اور جرائم پروری ثابت کرنے کی غرض سے۔

یا مثلاً ——

قیدیوں کے رسن بستہ ہونے کا چرچا کرتے وقت اشارہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن کتنا پست فطرت، ڈرپوک اور سخت دل تھا۔

کم سن بچے سے کیا ڈر تھا جو اس کے ہاتھ باندھ دیے گئے تھے —— ؟ غم نصیب خاتون کیا کرسکتی تھی جو اس کے ہاتھ پسِ گردن باندھے گئے تھے ؟

عزاداری کی مختلف رسموں میں شاید ہی کوئی آنکھ ایسی ہو گی جس کے گوشے میں قطرۂ اشک نہ ہو، اتفاقاً ہی کوئی ایسا دل ملے گا جس میں اس غم کا سوز نہ ہو۔ دشمن کے دل بھی جلتے اور اپنی اس واقعے سے وابستگی پر شرمندگی محسوس کرتے تھے۔

سفر جاری رہا

یہ خواتین مدینے میں تاریخِ کربلا کے ابواب و اوراق مرتب کرتی رہیں۔ لوگوں کو ضروری معلومات مہیا کیں ــــــــــ
ــــــــ معاشرے کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا ــــــــ
ــــــــ عورتوں کو ثابت قدمی، استقلال کی نصیحت کی ــــــــ
ــــــــ امام علیہ السلام کے ارشادات پر تقریر، ان کے معانی و مطالب بیان فرمائے۔

دبستانِ اسلام کا فلسفہ اور شہادت کا مقصد، نیز شہدائے کربلا کا نصب العین ــــــــ ان کے پیام و تحریک و انقلاب کے مسائل سمجھنے سمجھانے اور دوسروں تک پہنچنے پہنچانے کے معاملات زیرِ بحث لاتی رہیں۔

موقع آگیا اور تحریک نے برگ و بار نکالنا شروع کیے۔ انقلاب کی صدا دوسروں تک پہنچنے لگی۔ شہیدوں کے وارث اِدھر اُدھر جانے لگے۔ کچھ نجی سفر تھے، کچھ سزا کے طور پر شہر بدر کیے گئے۔

یہ جہاں گئے ــــــــ متحرک کتابِ کربلا بن گئے، تاریخِ کربلا لوگوں کے دلوں پر نقش کرنا ان کا کام تھا۔

ان کے پروگرام کامیابی سے آگے بڑھ رہے تھے، وہ کسی مرحلے میں شکست خوردگی کا احساس نہ رکھتی تھیں، وہ پوری عزت ووقار سے مشکلات کا مقابلہ کر رہی تھیں، ہر مرحلے پر یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر کوئی مصیبت آئی ہی نہ تھی۔

کوئی تمنا و آرزو ان کے دل میں نہ تھی ——— خدا پر نظر تھی اسی کی رضا مطلوب تھی ——— انتہائی ذہانت و ذکاوت کے ساتھ ——— دبستانِ حسینی اور اس کی آؤٹ لائن پر گام زن رہیں۔

اسی سرچشمۂ نور سے روشنی لیتی اور اسی راہِ مستقیم پر چلتی، ہر منزل پر سربلند پہنچتی رہیں۔ پوری مہم "عقیلۂ قریش حضرت زینب" کی سربراہی میں جاری رکھی۔

زینبؑ کا کارنامہ

عاشورہ کے بعد پیامِ حسینی کا مشن حضرت زینبؑ کی سربراہی میں جاری ہوا، ان کی زلزلہ افگن تقریریں اور ولولہ انگیز گفتگو نے حسینی انقلاب کے مقاصد واضح کیے ——— اس وقت کے بھیانک ماحول کی تصویر کشی کی۔ یزیدی حکومت کے جرائم کو آشکار کیا۔

ٹھیک ہے دوسری خواتین بھی آزادانہ یہ خدمت انجام دے رہی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی حضرت زینبؑ کے منصب و مرتبہ تک نہ پہنچ سکی۔ جیسے کوئی شہید امام حسینؑ کی منزل و عظمت کا مقابلہ نہیں کرسکا۔

زینبؑ کی نکتہ رسی اور ڈھکے چھپے مظالم سے پردے اٹھانے کا کام، عوام کے ذہنوں کو جھنجھوڑنا اور انقلاب کے لیے ابھارنا۔ پھر اس انقلاب کو صحیح

حقیقت یہ ہے کہ ان خواتین نے ایسی ہمت کا مظاہرہ کیا کہ دشمن بوکھلا گیا، اس کے حواس جاتے رہے، وہ رسوائی سے جان کیسے بچائے؟

کالے دھبے کیونکر دھوئے ـــــــ؟

جواب کے لیے زبان کہاں سے لائے ـــــــ؟

اس سلسلے میں جو حرکت کرتا وہ مذبوحانہ ہوتی ـــــــ!

خیموں کا جلانا ـــــــ شیرخوار بچوں کو شہید کرنا، ایسا غیرانسانی فعل تھا، جس کی تاویل ممکن نہ تھی ـــــــ

شہیدوں پر تین دن پہلے پانی بند کرنا ایسا فعل کہ جس کی کوئی قانونی حیثیت واضح نہیں کی جاسکتی۔

عورتوں کی اسیری اور قیدیوں کو مارنا ایسا مسئلہ نہ تھا جسے سادگی سے حل کیا جاسکتا۔

لہٰذا پہلے تو مجالسِ عزا پہ قدغن لگائی ـــــــ جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو اہلِ مدینہ کو قتلِ عام کی سزا دی اور واقعۂ حرہ عمل میں آیا۔

اسباق

خواتین اور شہیدوں کے پسماندگان نے اپنے مشن کے سلسلے میں کام جاری رکھا ـــــــ عوام کو مقابلہ پر ابھارا۔ صبر و استقامت کا درس دیا۔ فرائض کی بجاآوری ـــــــ انسانی اخلاق و اقدار کی پاسداری، خودداری و سرفرازی کی نگہداشت ـــــــ دشمن کے ہر حملے کا جواب اور واقعات و حقائق کی تشہیر و اشاعت۔ ظلم کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی مہم۔ یہ تھے ان کے اسباق و دروس۔

سمت دینا زینبؑ ہی کا کام تھا۔ وہی اس کام کی صلاحیت رکھتی تھیں۔
وہی لوگوں کو انصاف پر ابھار سکتی تھیں۔

میدان میں حضرت زینبؑ کے وجود سے دشمن خطرہ محسوس کر رہا تھا۔
آخر انھیں جلا وطن کرنے کی ٹھان لی۔

انھیں مصر بھیجنے کا فیصلہ کیا ——

اس نے پھر غلطی کی ——— اسے سمجھنا چاہیے تھا

کہ وہ فصیح و بلیغ خطیب ہیں —— وہ پیام شہادت مصر میں عام کریں گی،
وہ ان علاقوں میں اس واقعے کی تشہیر سے باز نہ رہیں گی۔

خواتین کا نتیجۂ کارکردگی

خواتین نے تاریخ عاشورہ میں جس مشن کو انجام دیا اور اس سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کا مکمل تجزیہ آج ممکن نہیں۔ کچھ مختصر جائزہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے:

- ○ —— بنی امیہ کا ناجائز دینی اثر و نفوذ ختم کیا۔
- ○ —— ظلم و جرائم کے اداروں کو رسوا کیا۔
- ○ —— عوام میں مقابلے اور بیداری کی روح پھونکی۔
- ○ —— عوام میں انقلاب کی زمین ہموار کی۔
- ○ —— حکومت کے حلقوں میں احساسِ گناہ کی لہر دوڑا دی۔
- ○ —— برسر اقتدار اداروں کی فریب کاری کو بے نقاب کیا۔
- ○ —— مقابلے کے لیے عوام میں اتحاد و یک دلی پیدا کی۔
- ○ —— افکار و خیالات میں عام بیداری پیدا کی۔

○ ـــــ مردہ و محوِ خواب عوام میں نئی روح پھونکی۔

○ ـــــ زوالِ حکومت کے اسباب مہیا کیے۔

○ ـــــ غاصبِ خلافت کے اقتدار سے اسلام کا رشتہ توڑ دیا۔

○ ـــــ اسلامی علوم میں توسیع ہوئی۔

○ ـــــ خوف و ہراس اور گھٹن سے عوام کو نکالا۔

○ ـــــ عوام کو حقائق آشنا کیا۔

○ ـــــ جنگ، ہتھیار اٹھائے بغیر بھی لڑی جا سکتی ہے، سب کو بتایا اور اس حقیقت سے آگاہی بخشی۔

○ ـــــ نئے اخلاقی اقدار ایجاد کیے۔

○ ـــــ یزید۔ بلکہ ہر استبداد پسند طاغوت کی قبر کھود دی۔

دسواں حصّہ

اور آج

سب کو تقویٰ اور پاکدامنی کی تربیت دینی چاہیے ــــــ

مگر ــــــ
ساکت و منجمد زندگی کے لیے نہیں ــــــ!

ان پھولوں سے کیا فائدہ ــــ،
جو باغ سے نکلیں تو بے کار ہو جائیں ــــ!!

ایسی متقی خواتین تیار کی جائیں ــــ،
جو عفت و شرف کا پاس و خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ
مختلف سماجی کام کر سکیں ــــــ،

نسلِ جدید کی عمدہ پرورش ــــ
اور ــــ
گرتے ہوئے معاشرے کو بلند کرنے میں اپنا حصہ
ادا کر سکیں ــــــ

ا۔ استعمار کی مہم

ہم اس دور میں ہیں جب استعماری ایجنٹ کوشش کر رہے ہیں کہ عورت کو اس کے انسانی مقام سے ہٹا کر بکاؤ مال اور ہوس رانی کی چیز بنا دیں۔

انسانیت دشمن افراد نے ایک نعرۂ دل فریب لگایا:

پابندیوں سے عورت کی آزادی

جس کے معنی ہیں عورت کو ہوس کے پنجے میں جکڑنا۔

صنعتی دور میں سب دیکھ رہے ہیں، عورت درآمدی و برآمدی مال بن چکی ہے۔ بازاروں میں نمایاں طور پر وہ کسی نہ کسی طرح بیچی جا رہی ہے۔

کبھی وہ دکانوں اور دفتروں میں خرید و فروخت کرنے والوں کو —

— اپنی سجاوٹ اور گھلاوٹ دیتی ہے —

کبھی شوکیس میں اس کے حسین جسم کو ذریعۂ کاروبار بنایا جاتا ہے۔

کبھی اس کا حسن تجارت کا پروپیگنڈا کرتا ہے —

— اور کبھی وہ خود یکے بعد دیگرے ہوٹلوں کے شبستان ....

دکھ کی بات یہ ہے کہ بے توجہی، غفلت یا ناواقفیت کی بنا پر کچھ عورتیں اپنے تئیں سپرد کر دیتی ہیں۔ وہ خطرناک وتباہ کن نتائج سے آشنا نہیں ہوتیں۔ افسوس کی بات ہے۔ خواتین کا ایک درجہ اتنا بلند ہے کہ وہ شہیدوں کی ترجمان قرار پائیں اور ان کے بلند مقاصد کا پیام دوسروں تک پہنچائیں۔

دوسری طرف ناعاقبت اندیش افراد کی بدولت وہ خود اتنی پست ہو جائیں کہ انھیں ناجائز فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بننا پڑے۔

اگر ایئر سروس میں ہوسٹس بن کر وہ مسکراتے چہروں اور مہکتے جسموں کی نمود ونمائش کر کے مسافروں کے لیے بہار نظر بن کر ان کے جذبات میں ہیجان پیدا کرتی اور ان کے دل موہ لیتی ہیں تو خود بھی رنگینیوں اور ناجائز دولت کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر خاندانی ومعاشرتی کرب کو جنم دیتی ہیں۔ خود ان کا وجود آگ کا الاؤ بن جاتا ہے۔

ذمّہ دارانِ معاشرہ ہوشیار

معاشرے کے ذمہ دار افراد خوب سمجھتے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح بڑی حد تک عورت کی صلاح وفلاح اور معاشرے کا فساد بڑی حد تک عورت کے فساد سے وابستہ ہے۔

عورت کو معاشرے کی برتری وترقی یا انحطاط وتنزلی میں براہ راست دخل ہے۔ اس لیے ان کے معاملات ومسائل پر توجہ دینا چاہیے اور انحراف و لغزش کو ان سے روکنا چاہیے اور خود عورتوں کو بھی اپنی عزت، برتری اور توانائی کا خیال رکھنا چاہیے ———— صحیح سمت اختیار کرنے سے وہ خود بھی ایک نسل، ایک معاشرے اور ایک تاریخ کو قابلِ فخر بنا سکتی ہیں۔

ملک کی قدر و قیمت خواتین اور مادرانِ ملت سے وابستہ ہے۔ ان کی فکری سطح بلند ہوگی، ان کی پرورش عمدہ ہوگی تو قوم سربلند ہوگی۔

اربابِ تعلیم و تربیت کو اس گوشے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینا چاہیئے۔ تعلیمی و ثقافتی اداروں کو ایسی خواتین سے رابطہ رکھنا چاہیئے جو حقیقی احترام اور فرض شناسی کا مفہوم جانتی ہوں۔ پاک دامن اور تقویٰ شعار ہوں۔ اخبار و رسائل کے مدیر، ایکٹرسوں، رقاصاؤں اور گلوکاروں کے بجائے ان خواتین کو سراہیں جو دلیر، فداکار، محقق اور آزاد از قیدِ فرنگ ہوں۔

سب کو تقویٰ اور پاک دامنی کی تربیت دینی چاہیئے مگر ساکت و منجمد زندگی کے لیے نہیں ـــــ ان پھولوں سے کیا فائدہ جو باغ سے نکلیں تو بیکار ہو جائیں ـــــ ایسی متّقی خواتین تیار کی جائیں جو عفت و شرف کا پاس و خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف سماجی کام کر سکیں ـــــ نسلِ جدید کی عمدہ پرورش اور گرتے ہوئے معاشرے کو بلند کرنے میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔

خواتین ہوشیار

ہمارے ملک میں ابھی وقت ہے اور بہ نسبت پہلے کے ان دنوں زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں ـــــ اس دور کی عورت بہتر طریقے پر اپنی ترقی و تعمیرِ ذات و صفات کی طرف دھیان دے سکتی ہے ـــــ

یہ تاریخی موڑ ہے ـــــ

با اخلاق و با اصول معاشرے کی ساخت و پرداخت کے مواقع ہیں ـــــ طاغوتی بندھنوں کو توڑا جا چکا ہے ـــــ سماج میں بُرائی کو بُرا کہنے اور ٹھکرانے پر کوئی گرفت نہیں ہے ـــــ آج عورت کو چھیڑنے پر

کھلے بندوں فخر نہیں ہو رہا ہے۔ عورت اپنی کرامت و شرافت کو پروان چڑھا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنا فرض ادا کرنے پر تیار ہو جائے۔

آج کی خاتون کو جاننا اور سمجھنا چاہیے ـــــ اس کے فخر و اعزاز کی بات ہر وقت دولھن بننے ـــــ جھوٹی تعریف سننے ـــــ رنگ و روغن کے سہارے چمکنے دمکنے میں نہیں ہے۔

عورت کا فخر، عورت کی بڑائی ـــــ اس کی شخصیت کے نکھار ـــــ آگہی ـــــ علم و ہنر ـــــ شرم و حیا اور اسلامی و اخلاقی اقدار سے آراستہ ہونے میں ہے ـــــ مثبت انسانی فضائل، صفاتِ تقویٰ اور حفظِ آبروئے خاندان میں ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بُروں کے ساتھ مقابلے میں اکثر و بیشتر یہ نکتے فراموش کیے جا رہے ہیں۔ باصلاحیت بچیوں کو ایسے انجان راستوں پر ڈالا جا رہا ہے جہاں وہ عہدِ قدیم کی بکاؤ لونڈیوں سے زیادہ آبرو باختہ ....

آج کی ذمہ داریاں

آج عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے "نظریہ کا تحفظ" ـــــ اپنے دبستانِ فکر کو دشمن کے حملے سے بچانا ـــــ اپنی شخصیت کو اپنے نظریے کا آئینہ دار بنانا ـــــ اسیر بنانے والے راستوں اور ہوس کے جال میں پھنسنے کی تدبیروں سے دور رہنا۔ اور ایسے مثبت اقدامات جن سے ان عظیم مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہو جو ہمیں تاریخ و فلسفۂ اسلام نے دیے ہیں ـــــ ـــــ کربلا والے اور کربلا والیاں ـــــ مرد، بچّے، جوان، بچّیاں، لڑکیاں اور بلند مرتبہ خواتین کے رنگ میں رنگنا، انھیں احساسات میں ڈوبنا۔

آج کی عورت ذمہ دار ہے، جتنی جلد ہو سکے وہ چہرے کے اس رنگین مگر بدبودار غبار کو دھو ڈالے جو سہل انگاری کے ہاتھوں اس کے چہرے کو بگاڑتا رہا ہے۔ اپنے مسائل کی گہرائی میں ڈوب کر سوچے اور ایسا رویہ اختیار کرے جو اسے اسلامی زندگی میں ڈھال دے۔

اسلامی رویہ ، اسلامی معاشرہ ، اسلامی عدل، اسلامی کرامت اور تقویٰ شعار زندگی بسر کرنا " دبستانِ کربلا " کا اصل نصب العینُ فلسفہ تھا اور ہے۔

جس لمحے پوری قوم ، پوری ابھرتی ہوئی نسل اس تگ و دو میں ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو گزشتہ ذلت و رسوائی و بے انصافی سے رہائی حاصل کرے۔ عین اسی وقت کچھ .... مغرب کی سماجی غلامی اور طاغوتی دور کے سمبل کے سامنے جھکنے اور فریب خوردہ نظام کی یاد میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی انحراف پر اکسانے والیاں موجود ہیں ——— ذرا عقل کے ناخن لیں۔

آج موقعہ ہے۔ عورت اس سیاسی ، ثقافتی ، سماجی اور مذہبی فضا سے جتنا فائدہ اٹھا سکتی ہے فائدہ اٹھائے۔ اپنے اخلاق کو استوار کرے۔ اپنے نفسیات کو سدھارے۔ نیا جنم لے۔ اسلامی اقدار قبول کرے ———

اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہے ——؟

لڑکیوں کو انتخابِ شریکِ زندگی میں بہت محتاط ہونا چاہیئے۔ شادی میں اسلامی مقاصد کو سامنے رکھنا چاہیئے —— ٹکے باز عاشق ، آوازہ کسنے والے بنے ٹھنے جوان۔

سانپ کی طرح کینچلی بدلنے والے لوگ جو کبھی ڈرانے اور کبھی للچاتے ہیں ——— حسن پرست ——— آرٹ کے دلدادہ تو ہو سکتے ہیں خدا پرست اور دبستانِ کربلا کے ہم نوا نہیں ہو سکتے۔

شادی کے معاملے میں انسانیت ، تقویٰ ، راستی و درستیٔ اعتقاد اور اسلامی فلسفہ و اعتقاد و اقدار سے ہم آہنگی کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی تو زندگی کامیاب ہو سکے گی ۔

مثالی کردار

دنیا کے گرتے ہوئے سماج اور ابھرتے ہوئے فکری نظاموں میں ہر گروپ کا ایک راہنما ، الگو اور سمبل ہے ۔ ہم نے بھی خواتین کے لیے کچھ سمبل اور مثالی شخصیتوں کی نشان دہی کی ہے ۔
ان میں سے ہر ایک کو ہماری خواتین جانتی ہیں اور ہم نے اس کتاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے :

"حضرت آسیہ ، ھاجرہ ، مریمؑ ،
سارہؑ ، خدیجہؑ ، فاطمہؑ ، زینبؑ ،
کلثوم ، رباب ، مادرِ وہب ،
زوجہ زہیر ، زوجۂ عبد اللہ کلبی ، دخترِ
عبد اللہ عفیف . . . . "

آج ہمیں شہید پرور ، انقلابی ، کردار ساز ، پاکباز ، باادب ، بااخلاص ، روحانیت سے سرشار ، شرافتِ انسانی سے آراستہ ، حاضر و در پردہ شیطانوں سے دُور خواتین کی ضرورت ہے اور اس طرح کی خواتین اسلامی تربیت اور مذکورہ بالا مثالی کرداروں کے سائے میں پروان چڑھ سکتی ہیں ۔ یہی "ماڈل" ہیں جن میں نسوانیت کے صحیح جذبات اور نسلِ جدید کو ماننے اور عمدہ تربیت دینے کی صلاحیت ہو سکتی ہے ۔

اس ہدف تک پہنچنے اور اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے واقعۂ کربلا سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ہر مرحلے میں اس کو سامنے رکھنا — اور خواتینِ کربلا کی سیرت اور پیغام کو سمجھنا چاہیئے۔

تعلیم و تربیت کے ادارے ہوں یا ثقافت و تاریخ کے مظاہرے —

جشن ہو یا عزاداری —،

آزمائش و مصیبت ہو یا معرکہ و جہاد —؛

جس اجتماع میں جو بات ہو وہ ان شہید پرور خواتین کی یاد سے منور ہو۔ یقین ہے کہ ہمارے عہد کی خواتین درپیش مشکلات پر قابو حاصل کر کے اپنی فکری توانائیوں اور فطرتی عظمتوں کی بدولت درخشاں مستقبل کو جنم دیں گی۔

ڈاکٹر علی قائمی

قم، ایران

خاندان کا اخلاق

خوشگوار ازدواجی زندگی کے زرّیں اصول

تالیف

آیت اللہ استاد ابراھیم امینی

خاندانی اختلافات اور باہمی کشیدگی کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب، میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے اصول و فرائض سے عدم واقفیت ہے۔

اس کتاب میں سینکڑوں خاندانوں اور شادی شدہ جوڑوں کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے خاندانی اور ازدواجی الجھنوں اور مسائل کا قرآنِ کریم، پیغمبرِ اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کے فرمودات کی روشنی میں حل پیش کیا گیا ہے۔

دیدہ زیب سرورق۔ عمدہ کاغذ۔ کمپیوٹرائزڈ کتابت۔ بہترین طباعت۔

یکے از مطبوعات

دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

۲ - جے - ۵/۴ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی گرانمایہ تالیف

اسلام میں خواتین کے حقوق

کتاب ہذا میں معاشرہ، تاریخ، فطرت اور نفسیاتی پہلوؤں سے عورت کے مرتبے اور خواستگاری، نکاح، متعہ، تعدّد ازواج، نان و نفقہ، مہر، طلاق، عدۃ اور میراث جیسے مسائل پر ٹھوس علمی انداز میں بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں مغربی فلسفہ و قوانین سے موازنہ کرتے ہوئے اسلام کے امتیاز کو ثابت کیا ہے۔

دیدہ زیب سرورق۔ عمدہ کاغذ۔ بہترین طباعت۔ صفحات ۴۶۲

یکے از مطبوعات

دار الثقافة الاسلامية پاکستان

۲-بے-۵/۴ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

دل نشین پیرائے میں مستند کتاب

حُسَینؑ شَناسی

آیت اللہ محمد یزدی

کتاب ہٰذا میں واقعہ کربلا کے حقیقی عوامل و اسباب بیان کرتے ہوئے ان حالات میں امامؑ کے لائحہ عمل پر بحث کی ہے اور اس دور کی سیاست اور امامؑ کے لائحہ عمل کو آسان عام فہم اور جدید اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے

دیدہ زیب سرورق | عمدہ کتابت | بہترین طباعت | سفید کاغذ | قیمت ۴۵ روپے

کسی قوم کی قدر و قیمت اور خدمات جاننے کا پیمانہ اُسکی تصانیف و تالیفات ہیں

[illegible]

- کتاب المومن
- درس قرآن
- مکتب تشیع اور قرآن
- مذہب اہلِ بیتؑ
- فلسفۂ امامت
- تعلیم دین سادہ زبان میں (چار جلد)
- آسان عقائد (دو جلد)
- شیعیت کا آغاز۔ کب اور کیسے
- ہمارا پیام
- آزمائش
- اہل بیتؑ کی زندگی۔ (مقاصد کی ہم آہنگی زمانہ کی نیرنگی)
- صدائے حضرتِ سجادؑ
- آمریت کے خلاف ائمۂ اطہار کی جدوجہد
- عزاداری۔ احیاء امر ائمہؑ
- تفسیرِ عاشورا
- انقلاب حسینؑ
- حسینؑ شناسی
- پیامِ شہیداں
- عاشورا اور خواتین
- عورت، پردے کی آغوش میں
- آسان مسائل
- مادیت و کمیونزم
- عوامی حکومت یا ولایتِ فقیہ
- آئینِ وہابیت
- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
- ۲۰ جواب
- عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
- حضرت محمدؐ
- حضرت فاطمہؑ
- حضرت علیؑ
- حضرات حسنینؑ
- حضرت امام زین العابدینؑ
- حضرت امام محمد باقرؑ
- حضرت امام جعفر صادقؑ
- حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
- حضرت امام علی رضاؑ
- حضرت امام محمد تقیؑ
- حضرت امام علی نقیؑ
- حضرت امام حسن عسکریؑ
- حضرت امام مہدیؑ
- اسلامی اتحاد۔ مسلکِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں
- دعائے افتتاح

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان
۲-بی- ۹/۲ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

کسی قوم کی قدر و قیمت اور خدمات جاننے کا پیمانہ اُسکی تصانیف و تالیفات ہیں

ہماری مطبوعات

- کتاب المومن
- درس قرآن
- مکتب تشیع اور قرآن
- مذہب اہل بیت
- فلسفۂ امامت
- تعلیم دین سادہ زبان میں (چار جلد)
- آسان عقائد (دو جلد)
- شیعیت کا آغاز۔ کب اور کیسے
- ہمارا پیام
- آزمائش
- اہل بیتؑ کی زندگی۔ (مقاصد کی ہم آہنگی، زمانہ کی نیرنگی)
- صدائے حضرت سجادؑ
- آمریت کے خلاف ائمہ اطہار کی جد و جہد
- عزاداری۔ احیاء امر ائمہؑ
- تفسیر عاشورا
- انقلاب حسینؑ
- حسینؑ شناسی
- پیام شہیداں
- عاشورا اور خواتین
- عورت، پردے کی آغوش میں
- آسان مسائل
- مادیت و کمیونزم
- عوامی حکومت یا ولایت فقیہ
- آئین وہابیت
- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
- ۲۰ جواب
- عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
- حضرت محمدؐ
- حضرت فاطمہؑ
- حضرت علیؑ
- حضرات حسنینؑ
- حضرت امام زین العابدینؑ
- حضرت امام محمد باقرؑ
- حضرت امام جعفر صادقؑ
- حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
- حضرت امام علی رضاؑ
- حضرت امام محمد تقیؑ
- حضرت امام علی نقیؑ
- حضرت امام حسن عسکریؑ
- حضرت امام مہدیؑ
- اسلامی اتحاد۔ مسلک اہل بیتؑ کی روشنی میں
- دعائے افتتاح

Rs 40.00

اپنا فائدہ بھی نہیں چاہتے اور فقط دوسروں کا نقصان کر کے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ وہی لوگ تھے جن کی خوشی اس بات میں ہوتی ہے کہ کوئی خاندان، شہر یا معاشرہ چین سے نہ بیٹھے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام علیؑ نے یہ الفاظ فرمائے تھے: "ناخوش رہیں وہ لوگ جن کا چہرہ کہیں نہیں دیکھا جا سکتا بجز ایسی جگہ کے جہاں شر ہو۔"

یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں امام علی علیہ السلام نالاں تھے اور جن کے شر کے نتیجے میں امام حسنؑ گوشہ نشین ہو گئے۔ یہ شبث بن ربعی، شمر بن ذی الجوشن اور ایک دو دوسرے کمینہ اشخاص تھے جو چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ اپنا یہ کام برے سے برے طریقے کے ساتھ انجام دیں، لیکن جو لوگ کچھ دور اندیش تھے وہ اتنی جلدی میں نہیں تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جنگ کے آغاز میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ امام علیہ السلام بھی نہیں چاہتے تھے کہ نوبت جنگ تک پہنچے۔ جب حرؑ سے آمنا سامنا ہوا تو ان کے ایک ساتھی نے کہا: "بہتر ہو گا کہ ہم اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹا دیں۔ ورنہ ہمیں زیادہ سخت رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اگر امامؑ جنگ کے خواہاں ہوتے تو اس کا مشورہ قبول کر لیتے لیکن انہوں نے اس کے جواب میں بطور ہدایت فرمایا: "موجودہ حالات میں میرا فریضہ جنگ نہیں ہے۔"

لہٰذا مورخین کا یہ لکھنا درست معلوم ہوتا ہے کہ "امام علیہ السلام کے چند ساتھیوں سے جہاں تک ہو سکا انہوں نے خیر خواہی کے طور پر کوفہ کے سپاہیوں کو نصیحت کی اور وہ جس فعل کے درپے تھے انہیں اس کی برائی سے آگاہ کیا۔" وہ دونوں مسلمان تھے اور ایک دوسرے کے خلاف لڑنے

نے بھی کوشش کی کہ اپنی ان باتوں سے جو سراسر خیر خواہی اور ہمدردی پر مبنی اور حقیقت کو واضح کرنے والی تھیں، ان لوگوں کے ضمیر کو بیدار کریں جنہوں نے دنیا کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالا تھا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ یہ آخری موقع ہے جو انہیں مل رہا ہے تاکہ وہ اپنے لیے آزادانہ زندگی کا سامان کر لیں۔ اگر انہوں نے یہ موقع کھو دیا تو پھر وہ کبھی بھی جبر و تشدد سے نجات حاصل نہ کر سکیں گے۔ اگر انہوں نے عزت حاصل کرنے کی اس دعوت کو ٹھکرا دیا تو اس کے بعد ذلت کی زندگی ان کا انتظار کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ دسویں محرم کے دن کا ابتدائی حصہ پیغام آنے جانے، کچھ کہنے سننے اور تقریریں کرنے میں گزرا۔ ان حساس اور پر اضطراب لمحوں میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے کچھ مختصر تقریریں کی گئیں۔ یہ تقاریر جنہیں تاریخ نے خوش قسمتی سے ضبط کر لیا ہے، اس سانحہ کی بڑی قیمتی اسناد ہیں۔ ان میں آزادی، شرافت اور پرہیزگاری کی روح سے بھی بڑھ کر گمراہ لوگوں کے لیے شفقت و ہمدردی اور ان کی نجات کے لیے انسانی کوشش کے نقطۂ عروج کا پتا چلتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان پر اضطراب گھڑیوں میں جو خطبے دیے ان میں سے ایک کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اے لوگو! جلدی نہ کرو، میری بات سنو کہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمہاری سرزمین میں کیوں آیا ہوں۔ اگر تم نے میری بات سنی، انصاف سے کام لیا اور دیکھا کہ میں درست کہہ رہا ہوں تو یہ جنگ، جو کسی وقت بھی چھڑ سکتی ہے، اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ لیکن اگر تم نے میری بات نہ سنی اور انصاف کی راہ پر نہ چلے تو اس کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔

اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ کیا مجھے قتل کرنا تمہارے لیے جائز ہے؟ کیا یہ روا ہے کہ تم میری حرمت کو ضائع کردو؟ کیا میں تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میرے والد پیغمبرؐ کے وصی، چچازاد بھائی اور پہلے مسلمان نہیں ہیں؟ کیا تم نے یہ حدیث سن رکھی ہے کہ رسول اکرمؐ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا: میرے یہ دو فرزند اہل بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری ان باتوں کو سچ سمجھتے ہو تو بہت بہتر ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا جھوٹ نہیں بولا ہے۔ ہاں اگر تم سمجھتے ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو تم رسول اکرمؐ کے ان اصحاب سے پوچھ سکتے ہو جو ابھی زندہ ہیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔ اے لوگو! تم کس شرعی جواز کی بنا پر میرا خون بہانا چاہتے ہو؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام علیہ السلام نے یہ باتیں دشمن کے چنگل سے رہائی پانے کے لیے یا مارے جانے کے خوف سے نہیں کہی تھیں۔ اگر وہ ان سے کوئی بھی چیز چاہتے تو اس کا حصول چند دن پہلے زیادہ بہتر طور پر ممکن تھا۔ یہ تقریر جس سے ہر اس شخص کو جس کی قوت شامہ درست ہو ـــــ صلح جوئی، خیر خواہی اور انسان دوستی کی خوشبو آتی ہے۔ یہ ان تقاریر کا ایک نمونہ ہے جو ایسے حالات میں ساری تاریخ انسانی میں فقط چند اشخاص نے ہی کی ہیں۔ یہ خدا کے ایک برگزیدہ بندے کی باتیں ہیں، یہ اس شخص کی باتیں ہیں جو اپنے آپ کو سوتے ہوئے ضمیروں کو جگانے پر مامور سمجھتا ہے۔ وہ شخص جو غصے کے ان شعلوں اور نفسانیت کی اس

طغیانی میں چھلانگ لگا دیتا ہے جس میں جاہل لوگ جا گرے ہوں، وہ کوشش کرتا ہے کہ ایک دو اشخاص کو بچا لے اور ان طوفانوں سے باہر نکال لائے۔

آپ یہ خطبہ دوبارہ پڑھیں کہ جس میں کسی لفظی آرائش یا ندرت بیان کی رعایت نہیں کی گئی اور مقرر نے اس میں منطقی دلائل کا سہارا نہیں لیا۔ یہ ایک بے حد سیدھا سادا بیان ہے جس کے معنی سب لوگ بخوبی سمجھتے تھے لیکن اپنے آپ کو ان سے بے خبر ظاہر کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی تقریر ہے کہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ سادہ لوح شخص بھی بخوبی اس کی گہرائی تک پہنچ سکتا تھا۔

جیسا کہ امامؑ نے فرمایا:

> "اے لوگو! میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور پھوٹ ڈالنے کے لیے نہیں آیا۔ تم سب مجھے پہچانتے ہو اور جانتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے؟"

یہی وہ موقع تھا جب فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کے خواہش مند لوگوں کو خوف پیدا ہوا کہ یہ الفاظ جو سراسر خیر خواہی پر مبنی تھے، لوگوں کے پتھر دلوں کو پگھلا کر نہ رکھ دیں۔ وہ ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سب سپاہی یا ان کی کچھ تعداد امام علیہ السلام کی باتوں سے متاثر ہو جائے۔ چونکہ ان لوگوں کا مقصد فتنہ فساد پھیلانا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر پاتے۔ چنانچہ ایک رذیل اور خون حسینؑ کے پیاسے نے بہ آواز بلند کہا:

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر میں وہ سمجھ پایا ہوں تو میں نے خدا کی غلط پرستش کی ہے۔" یہ بات ایک ایسے شخص نے کہی جس نے اپنی ساری

زندگی میں کبھی بھی سچ مچ یا جھوٹ موٹ خدا کی پرستش نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس کا خدا سے ہرگز کوئی واسطہ ہی نہ تھا اور اس دن سے جب اس نے کوفہ میں اپنے آپ کو امام علیؑ سے وابستہ کیا، اس دن تک جب وہ انہی کے بیٹے کا کام تمام کرنے کا منتظر تھا، ہم اس شخص کی زندگانی سے اچھی طرح واقف ہیں اور وہ شمر بن ذی الجوشن تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو آزاد مردوں کو دکھ دیکر لذت محسوس کرتے ہیں اور انہیں خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے ہاتھوں سے پرہیزگار اور شریف اشخاص کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ تاریخ میں ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔

آخر کار وہ ہوگیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یا جو کچھ ان حالات میں ہونا چاہیے تھا اس کا آغاز ہوگیا۔ ایک ایسی صورت پیدا ہوگئی جس کی خبر قرآن مجید نے نصف صدی پہلے دی تھی: "اگر محمدؐ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے ماضی کی طرف لوٹ جاؤ گے ؟ جو کوئی ایسا کرے گا تو خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" (سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۴۴)

یہ لوگ پچاس سال کے بعد اپنی پرانی خصلتوں کی جانب لوٹ گئے، جس کی طرف غصے اور نفسانی خواہشات کے سوا کوئی چیز رہنمائی نہیں کرتی تھی۔ قرآن، حدیث اور جلیل القدر صحابہ کی سیرت اور سچے مسلمانوں کے طور طریقے جو پچاس سال سے مشعل راہ تھے وہ چند گھڑیوں میں الگ رکھ دیے گئے۔ وہ وحشیانہ فطرت جسے ان دینی پابندیوں نے محدود اور محصور کر رکھا تھا وہ پھر سے آزاد ہوگئی۔ یہ فطرت تھی جس کا نہ صرف یہ کہ اسلامی عادات و اطوار سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کے اور انسانی فطرت کے درمیان بھی بڑا طویل فاصلہ نظر آتا تھا۔

محاربۂ کربلا

كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوا إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ

خدا نے قتل ہونا ان کے لیے مقدر فرما دیا تھا لہٰذا وہ اپنی قتل گاہ کی جانب چلے گئے۔ (زینبؑ بنتِ علیؑ)

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں تاریخی اسناد میں دو صدیوں تک کی تحریف کے باعث ان میں سے خارجی حقائق کو ڈھونڈ نکالنا اور وہ بھی ایک ایسے حادثے کے بارے میں کہ جس سے مخالف گروہوں کا مفاد وابستہ ہو، ایک مشکل کام ہے لیکن خوش قسمتی سے کچھ وقائع نویس میدان جنگ میں موجود تھے۔ جو کچھ وہاں ہوا وہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا وہ حادثہ کے مقام کے نزدیک تھے اور انہوں نے واقعات کے بارے میں دوسرے راویوں سے سنا۔ لہٰذا جب چند وقائع نویس کسی حادثے کے بارے میں ایک جیسی باتیں کہیں تو ان کے اس بیان کے جعلی ہونے کا احتمال نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں جس چیز کی خارجی قرائن بھی تائید کریں، اس کا قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جب ہم ان تمام داستانوں کو جو ایک دوسری کی ضد اور نقیض ہیں جمع کرتے ہیں اور ان کی مطابقت خارجی قرائن سے کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ فریقین کی لڑائی نے اتنا طول نہیں کھینچا کہ اس کے لیے بہتّر گھنٹوں کا وقت درکار ہو۔ تاہم یہ مدت اتنی کم بھی نہیں تھی جتنی دنیا کے بدلے دین فروخت کرنے والے خوشامدی شخص (زحر بن قیس) نے یزید کے سامنے بیان کی۔

جب زحر بن قیس یزید کے دربار میں پہنچا تو اس نے کہا:

"آپ کو فتح مبارک اور خدا کی مدد مبارک ہو! حسینؑ ابن علیؑ اپنے سترہ رشتہ داروں اور ساٹھ ساتھیوں کے ساتھ ہمارے پاس آئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ اطاعت قبول کرو۔ انہوں نے جنگ کو ترجیح دی اور جونہی سورج کی کرنیں زمین پر پڑیں ہم نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ تب وہ ایسے کبوتروں کی طرح جو باز کے پنجے سے بھاگ نکلتے ہیں، جائے پناہ کی تلاش میں ہر طرف دوڑتے پھرتے تھے۔

اے امیرالمومنین! خدا کی قسم اتنا وقت لگا جتنا ایک اونٹ ذبح کرتے میں لگتا ہے یا جتنا کوئی چاشت کے وقت سوتا ہے۔ ہم نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اب ان کے بدن برہنہ ہیں جنہیں خون نے ڈھانپ رکھا ہے اور ان کے چہرے خاک آلود ہیں۔ سورج ان کے بدن کو گلا رہا ہے اور ہوا ہر طرف سے ان پر گرد ڈال رہی ہے اور گدھوں کے علاوہ کوئی ان کے قریب نہیں جاتا۔"[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۳۷۴

اس رذیل اور جھوٹے شخص نے ایک ایسی مجلس میں اپنے امیر کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کہا اس کی یقیناً کوئی حقیقت نہیں اور وہ کہنے اور سننے والے کے لیے مضحکہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تکذیب کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے کہنے کے مطابق جو شخص اطاعت قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور جنگ کو ذلت پر ترجیح دیتا ہے پھر وہ موت سے نہیں ڈرتا اور کبوتر کی طرح باز کے پنجے سے نہیں نکل بھاگتا۔ اس کی یہ بات اس قدر غیر حقیقی اور حیرت ناک تھی کہ یزید بھی ٹھٹک کر رہ گیا اور کہنے لگا: "خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے کہ میں حسینؑ کے قتل پر راضی نہ تھا۔"

بہرحال یہ بات مسلم ہے کہ کربلا کی جنگ نہ تو اتنی سی دیر میں ختم ہوئی جس کا ذکر ابن قیس نے کیا اور نہ ہی وہ اتنی طول طویل تھی جیسے کہ بعض سادہ دل مقتل نویسوں نے لکھا ہے۔ گویا کہ جب انہوں نے اپنے تصور میں یہ شعر گوئی شروع کی تو انہیں قافیہ تنگ نظر آیا، اس لیے وہ مجبور ہوگئے کہ عاشورا کے دن کو "بہتر" گھنٹوں کا شمار کریں۔ تاکہ اس مدت میں ان کے حسب دلخواہ جنگ آزماؤں کے رجز پڑھنے، تقریریں کرنے، جنگ لڑنے اور دشمن کو قتل کرنے کے تمام مرحلے انجام پا جائیں۔ جبکہ اس معرکے میں دونوں طرف سے گنتی کے آدمی مارے گئے، ان میں سے بھی فقط ایک طرف والوں کی تعداد معلوم ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ کے ہمراہیوں میں سے جن مردوں کی عمر چودہ سال سے متجاوز تھی وہ سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ امام علیؑ ابن الحسینؑ چونکہ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے

اس لیے انہیں چھوڑ دیا گیا۔[1]

لیکن جہاں تک کوفہ کی یزیدی فوج کا تعلق ہے، خدائے تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے مارے گئے۔ ان میں سے مارے جانے والوں کی کم از کم تعداد تہتر اور زیادہ سے زیادہ ہزاروں لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ میدان کربلا میں جو عجیب بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں چند گھنٹوں میں دورِ جاہلیت کی سخت اور بے رحم ذہنیت اپنے تمام مظاہر کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی۔ وہ عرب جو اپنے خیمے کے سائے میں بیٹھی ہوئی ٹڈیوں کا شکار کرنے والوں کے خلاف تیر کمان اٹھا لیتا تھا، عاشور کے دن اسی کا بیٹا رنگ بدلتا ہے اور بسوس، بکر اور تغلب وغیرہ دورِ جاہلیت کی جنگوں کی یاد زندہ کرتا ہے۔ اس کشمکش کے دوران ایک شخص امام حسینؑ کو آواز دیتا ہے اور کہتا ہے:

"حسینؑ! پانی کی اس موج کو دیکھتے ہو؟ خدا کی قسم! تم اس میں سے نہ پی سکو گے۔ حتیٰ کہ تم دوزخ کا حمیم جا پیو گے۔"

ایک اور بے حیا فرزندِ رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ کو مخاطب کر کے کہتا ہے: "ہم پاکیزہ ہیں اور تم ناپاک ہو۔"

دوسری طرف اس وحشیانہ خونریزی کے بعد سپہ سالار حکم دیتا ہے کہ مقتولین کے بے جان جسموں پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ یہاں یہ یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ آیا یہ اشخاص انہی لوگوں کی پہلی یا دوسری نسل ہیں جن میں سے ہر شخص پانی سے اپنا خشک حلق تر نہ کرتا، بلکہ اپنے مسلمان بھائی کو دیدیتا

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۳۸۷

اور پھر وہ بھی یہی عمل کرتا، حتیٰ کہ وہ سبھی پیاس سے مرجاتے تھے۔ اسی طرح جب ان کے ہاں رات کے وقت کوئی مہمان آتا تو وہ اپنا کھانا اس کے آگے رکھ کر چراغ گل کر دیتے اور منہ ہلاتے رہتے تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ میزبان بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ وہ اس لیے ایسا کرتے تھے کہ اگر وہ خود بھی کھانا کھانے میں شامل ہو جائیں تو ہو سکتا ہے مہمان سیر نہ ہونے پائے۔

شاید آپ میں سے بیشتر قارئین نے مصر کے سلسلے میں ابن عاص اور دو کبوتروں کا قصہ سن رکھا ہوگا کہ فتح مصر کے وقت عمرو بن العاص اس جگہ خیمہ زن ہوا جسے اب فسطاط کہتے ہیں۔ جب وہاں سے کوچ کرنے اور کسی دوسری جگہ جانے کا فیصلہ ہوا تو سپہ سالار کو بتایا گیا کہ ایک کبوتری نے تمہارے خیمے پر گھونسلہ بنا کر اس میں انڈے دے دیئے ہیں۔ اگر خیمہ اکھاڑا گیا تو انڈے ٹوٹ جائیں گے اور نر و مادہ دونوں کبوتروں کو دکھ ہوگا۔ ابن عاص نے کہا کہ خیمہ اسی طرح گڑا رہے اور ایک سپاہی یہاں ٹھہرے۔ جب یہ کبوتر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر اڑ جائیں تو وہ یہ خیمہ اکھاڑ کر لے آئے۔ [1]

ابھی اس واقعے کو چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہم دیکھتے ہیں، انہیں لوگوں کے فرزند اپنے پیغمبرؐ کی بیٹیوں کے خیموں کو آگ لگاتے ہیں۔ تاکہ امام حسینؑ کے کم سن بچوں اور رسول اکرمؐ کے پوتوں پوتیوں کو جلا دیں۔ ذرا دیکھیے کہ ان دونوں مناظر میں سے کونسا رقت انگیز ہے؟ کیا وجہ ہے کہ انسان اپنے بلند مقام سے اس حد تک نیچے آجاتا ہے اور پستی کے آخری نقطے پر پہنچ جاتا ہے؟ انسان کا دماغ بھی کتنی پیچیدہ

---

[1] معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۶۰

چیز ہے۔ کلامِ خداوندی سب سے بہتر طور پر اس معمے کی توجیہہ کرتا ہے:

"شیطان ان پر مسلط ہو گیا اور اس نے ان کے دلوں سے خدا کی یاد زائل کردی۔"[1]

---

[1] سورۂ مجادلہ۔ آیت ۱۹

طرفین میں سے سچے مسلمان کون؟

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں بہشت ہے

(سورۂ انعام - آیت ۱۲۷)

ایک اونٹ کو ذبح کرنے میں پانچ گھنٹے یا دس گھنٹے یا بہتر گھنٹے، جتنا وقت لگا وہ بھی گزر گیا۔ وہ ایک لاکھ یا تیئس ہزار یا اٹھارہ ہزار اشخاص جنہوں نے مختار ابن ابوعبیدہ کے گھر میں مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر اپنی جانیں قربان کردینے کی قسم کھا کر بیعت کی اور ان لوگوں میں سے جو عراق اور حجاز کے شہروں سے امام حسینؑ کے قافلے میں آملے تھے۔ یوم عاشور کو ان ہزاروں میں سے فقط بہتر افراد کے بدنوں کے ٹکڑے ہوئے اور وہ خون میں لتھڑے، اس وحشت ناک بیابان میں ادھر ادھر بکھرے نظر آرہے تھے۔ یہ کون لوگ تھے؟ یہ سچے مسلمان تھے! یہ وہ مسلمان تھے جو امتحان کے میدان میں اترے اور بڑی

سخت آزمائش سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ وہ نہ صرف اس امتحان میں سرخرو ہو کر نکلے، بلکہ انہوں نے رہتی دنیا تک ایسی آزمائش میں شریک ہونے والے لوگوں کو بتلا دیا کہ اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں پاکباز ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس ان ہزاروں ڈھلمل اور ابن الوقت افراد کا معاملہ کیسا رہا جن کا ہمیں کوئی نام و نشان نہیں ملتا؟ ان سے میری مراد مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر دوسرے بیعت کرنے والے لوگ ہیں۔ کیا وہ مسلمان نہ تھے؟ کیوں نہیں! وہ بھی مسلمان تھے لیکن وہ اسلام کے اس حد تک خواہاں تھے کہ ان کے مال اور جان کو نقصان نہ پہنچے۔ جونہی انہوں نے دیکھا کہ ایک مشکل امتحان درپیش ہے وہ اس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ اپنے گھروں کو چلے گئے اور دروازے بند کر کے آرام سے بیٹھ رہے، تاکہ اپنے آپ کو ایک فتنہ برپا کرنے کے لیے تیار کریں۔ جب ایک مرد مومن اٹھے، یہ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور اس سے ساتھ دینے کا وعدہ کریں۔

ان میں سے ایک اور چھوٹے سے گروہ نے کچھ زیادہ ہی ایثار و قربانی کا اظہار کیا۔ انہوں نے ایسا کام کیا کہ جب تک یہ دنیا اور اس کی تاریخ باقی ہے، انسان، تاریخ اور حقیقت ان کا مذاق اڑاتی رہے گی۔ وہ عاشور کے دن ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے: "اے خدا! حسینؑ کی مدد کر!"

اس وقت دن کی آخری گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں، جب وہ دیوانے کہ جن کے جسم اور روح اہل حق سے کینہ وری اور دنیا کی دولت اور عہدیداری کے لالچ سے پُر تھے، اپنے مدمقابل اشخاص کو قتل کر چکے، ان کے خیمے جلا چکے اور مال و اسباب لوٹ چکے تھے۔ جب عورتوں اور مردوں میں سے

پھر آپ نے ان کے حق میں یہ الفاظ کہے جن کے وہ سزاوار تھے:

"اے خدا! اپنی باران رحمت کو ان سے دُور رکھ، زمین کی برکتیں ان سے چھین لے، حکام ان سے ہرگز خوشنود نہ ہوں اور انہیں ہرگز ایک جماعت کی شکل اختیار کرنے کی توفیق نہ دے!"[1]

پھر ہوا یہ کہ ابھی چار سال سے زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ امام[ع] کے ارشاد کے مطابق عذابِ الٰہی نے ان بزدلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ عراق میں شورش برپا ہوگئی اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا اور انتقام کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ وہ آگ جس نے سب سے پہلے کربلا میں شہید ہونے والے مظلوموں کے قاتلوں کو نگل لیا اور اس سے پیشتر کہ وہ اگلی دنیا میں سزا بھگتیں، اس دنیا کی ذلّت میں گرفتار ہوگئے۔

وہ لوگ جو امام حسین[ع] کی نصرت سے منہ موڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے تھے اور جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا ان کا کیا بنا؟ جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے وہ بھی سزا سے نہ بچ سکے لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس سلسلے میں ہم ایک دفعہ پھر سید الشہداء علیہ السلام کے وہ الفاظ دہراتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"لوگ دنیا کے بندے ہیں اور وہ دین کو اس حد تک چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ اپنی زندگی سنواریں، لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو دیندار بہت کم ہوتے ہیں۔"

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۳۶۵

ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا تو وہ اچانک ہوش میں آ گئے کہ انھوں نے برا کام کیا ہے۔ جن لوگوں کا صحیح منطق اور عقلِ سلیم میں کوئی حصہ نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے، یہ ان کی فطرت کا دوسرا رُخ ہے۔ وہ جلدی طیش میں آ جاتے ہیں اور بہت جلدی پشیمان ہوتے ہیں۔ تب وہ پہلے دل ہی دل میں کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کر دیا؟ پھر آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ افسوس ہم نے بہت برا کام کیا ہے! یہ شخص تو ہمارا خیر خواہ تھا! ہم نے خود ہی اسے بلایا اور پھر نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی مدد نہ کی بلکہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو حکومتِ دمشق کے گماشتے کے سامنے قربان کر دیا! اُف کہ ہم نے بہشت کے جوانوں کے سردار کو بداطوار لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اپنے ہاتھوں خون میں نہلایا۔ وہ اپنے کیے پر پشیمان تو ہوئے، لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

یوں کوفہ نے ایک دفعہ پھر شام کے سامنے اپنی عاجزی اور بیچارگی کا مظاہرہ کیا۔ یہی نہیں کہ وہ دمشق کو شکست نہ دے سکا بلکہ دوبارہ اس کے زیرِ تسلط آ گیا اور اپنی سابقہ ذلّتوں میں ایک اور ذلّت کا اضافہ کر لیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ان لوگوں کو ان کے اس انجام کے بارے میں خبردار کیا اور فرمایا:

> ”خدا کی قسم! اگر تم نے مجھے قتل کیا تو پھر تم ایک دوسرے کی جان کے لاگو ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔ تاہم خدائے تعالیٰ تمہیں فقط اتنی سزا دینے پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ وہ تمہارے لیے بڑا سخت عذاب تیار کرے گا۔“

اس المناک حادثے کو رونما ہوئے اب تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک ـــــ کوفہ میں پے در پے کئی نسلیں پیدا ہوئی ہیں، لیکن جو نسل پہلی نسل کی جگہ لیتی ہے وہ ہر سال ان دنوں میں امام حسین علیہ السلام کے مزار کے گرد جمع ہوتی ہے، گویا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے کیے پر شرمسار ہو کر اس مزار پر آنسو بہاتی ہے اور امامؑ کی رُوح کے ساتھ دوستی اور اطاعت کا پیمان باندھتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، اگر یہ ممکن ہو کہ تاریخ ماضی کی طرف پلٹ پڑے اور وہی نقشہ دوبارہ سامنے آجائے تو یہ شرمسار ہوتے والے کیا کریں گے اور کس دستے کا ساتھ دیں گے؟

پس اے پروردگار! اپنے بندوں کی کبھی بھی آزمائش نہ کر اور اگر آزمائش کرے تو انہیں ثابت قدم رہنے کی ہمت عطا فرما!

شہادت حسینؑ پر قاتلوں کی پشیمانی

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ

اور جس دن ظالم پشیمانی سے اپنے ہاتھ کاٹے گا۔

(سورۂ فرقان - آیت ۲۷)

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ دمشق میں ایک جلدباز حکمران اپنی نئی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جو کام حاکم مدینہ کے سپرد کیا تھا اگر وہ اسے پورا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو معلوم نہیں کہ وہ ایک قابلِ علاج ردّ عمل سے دوچار ہوتا؟ اگر وہ ایسا کر گزرتا تو ممکن تھا کہ حجاز اور عراق چند سال کے لیے ایک طاقتور مخالف سے خالی ہو جاتے، لیکن ان کے اس منصوبے پر جس طرح وہ چاہتے تھے، عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ وہ اپنے دہشت گردوں کی قوت سے مکہ میں بھی فائدہ نہ اٹھا سکے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفت کا مرکز حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ اس پر شام کو مجبوراً عسکری

مداخلت کرنی پڑی۔ اس لشکر کشی اور قتل و غارت سے دمشق کو بظاہر فتح نصیب ہوئی لیکن اس کامیابی نے اس کے لیے آئندہ شکست کا بیج بھی بو دیا۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں شکست کا آغاز جنگ کا طوفان تھمنے کے چند لمحوں بعد ہی فاتح کمانداروں کی پشیمانی سے ہو گیا۔ نیز ان بدعہد لوگوں کا ضمیر بھی چند لحظوں اور چند گھڑیوں کے لیے از سر نو بیدار ہو گیا۔ تاہم اتنا ہی کافی نہ تھا، بلکہ ضروری تھا کہ یہ لوگ اپنے شہر کو واپس جائیں اور دیکھیں کہ جن اشخاص نے ایک مہینہ پہلے ان کے ساتھ مل کر پیمان باندھا تھا اور فقط وعدہ خلافی پر اکتفا کیا اور اس پر مہمان کو قتل کرنے کی ذلت کا اضافہ نہیں کیا تھا، وہ ان قاتلوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔

چنانچہ شام کے وقت ایک شخص خوش خوش اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھر میں داخل ہوتا ہے تب اس کی بیوی پوچھتی ہے: "کیا بات ہوئی ہے کہ تم اتنے خوش نظر آ رہے ہو؟"

وہ جواب دیتا ہے: "شاید تمہیں نہیں معلوم کہ میں تمہارے لیے دنیا کی دولت لایا ہوں، میرے پاس حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔"

وہ کہتی ہے: "وائے ہو تم پر" اور لوگ تو اپنے ساتھ سونا چاندی لائے ہیں اور تم پیغمبر اکرمؐ کے نواسے کا سر لائے ہو۔ خدا کی قسم! میں آئندہ کبھی بھی اپنا سر تمہاری آغوش میں نہیں رکھوں گی۔"

ان بدعہدوں کی کربلا سے واپسی اور اپنے کنبہ سے ملاقات پر لازماً بیوی کی شوہر سے اور بیٹے کی باپ سے جدائی کے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔ لیکن تاریخ نے ان جزئیات کو تحریر نہیں کیا ہے۔ پھر جب کوفہ مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تو ان لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے امام حسینؑ

کے بیوی بچوں اور امام علیؑ و رسول اکرمؐ کی اولاد کو کافر قیدیوں کی طرح شہر میں لا کر کتنا بڑا کام کیا ہے۔

جب خلیفۂ رسولؐ اور مسلمانوں کے حاکم امام علیؑ اس شہر میں پانچ سال حکومت کرنے کے بعد قتل کر دیے گئے" اس واقعہ کو ابھی بیس سال سے زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ اب جن عورتوں کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو چکی تھی، انہوں نے اس زمانے میں بی بی زینب کو دیکھا تھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا تھا کہ امام علیؑ ان بی بی کی کتنی عزت کرتے تھے اور ان عورتوں کے اپنے باپوں اور شوہروں کی نظر میں ان کا کتنا وقار تھا۔ انہی بی بی زینبؑ کے قید ہو کر آنے کا یہ منظر دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہو گئیں اور شہر کے کوچہ و بازار میں کہرام مچ گیا۔ عورتوں کو گریہ و ماتم کرتے دیکھ کر بچے بھی رونے لگے اور بچوں کے رونے پر بوڑھوں کے سخت دل بھی نرم ہو گئے۔ چنانچہ ہر طرف سے نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ واحد ہستی جو اپنی گفتگو سے اس جوش و خروش کو انتہائی بلندی پر پہنچا سکتی تھی، وہ امام علی علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ کونسی بیٹی؟ زینبؑ یا ام کلثومؑ؟ مجھے اس بات کا علم نہیں لیکن امام حسین علیہ السلام کے بعد بی بی زینبؑ ہی عمر میں بڑی اور بزرگ ہونے کی بنا پر قیدیوں کے قافلے کی سرپرست کی حیثیت رکھتی تھیں۔

جو باتیں ہم لکھ رہے ہیں، بیشتر مقتل نویسوں اور شیعہ مؤرخین نے یہ انہی سے منسوب کی ہیں۔ تاہم سب سے پرانے مآخذ میں لکھا ہے کہ یہ باتیں بی بی ام کلثوم نے کہی تھیں۔ چنانچہ ابن ابی طاہر کہ جو اس حادثے کے ۱۴۰ سال بعد پیدا ہوا اور اس کے ۲۲۰ سال بعد فوت ہوا، اس نے اپنی ایک کتاب "بلاغات النساء" میں جو عرب اور اسلام کی خواتین کی بلیغ تقاریر کا مجموعہ ہے،

اس خطبے کو بی بی ام کلثومؑ کے نام منسوب کیا ہے۔ امام علیؑ ابن الحسینؑ جو نوجوان تھے اور ان دنوں بیمار اور کمزور تھے، جب انہوں نے کوفہ کے لوگوں کو روتے دھوتے دیکھا تو کہا: "اے لوگو! کیا تم ہمارے لیے رو رہے ہو؟ کیا ہمیں تمہارے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے؟" اس وقت بی بی ام کلثومؑ نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش رہنے کو کہا۔ مؤلف مذکور لکھتا ہے کہ اس کے بعد اس مجمع میں سے فقط آہستہ آہستہ سانس لینے کی آواز سنی جا سکتی تھی، تب بی بی ام کلثوم نے فرمایا:

"اے کوفہ کے رہنے والو! اے مکار اور دھوکا باز لوگو! خدا کرے کہ تمہاری آنکھیں ہرگز آنسوؤں سے خالی نہ رہیں! خدا کرے تمہارے سینوں کی فریاد کبھی ختم نہ ہو! تم اس عورت کی مانند ہو جس نے اپنا سارا سوت کات لیا اور پھر جو کاتا تھا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ نہ تمہارے وعدے کی کوئی قیمت ہے اور نہ تمہاری قسم کا کوئی اعتبار! تمہارے پاس سوائے ڈینگیں مارنے، اپنی تعریف آپ کرنے اور کنیزوں کی طرح منہ کی خوشامد کرنے اور درپردہ دشمن سے سازباز کرنے کے اور کیا ہے؟ تم ایسی سبز اور تر و تازہ گھاس کی مانند ہو جو گوبر کے ڈھیر پر اُگی ہو۔ تم ایسی سفیدی کی طرح ہو جو ایک قبر پر پھیری گئی ہو۔ تم نے اس دنیا کے لیے کتنا بُرا توشہ تیار کیا ہے ___ خدا کا غضب اور دوزخ کا عذاب! تم روتے ہو؟ ہاں بخدا! روؤ کیونکہ تم رونے ہی کے لائق ہو! زیادہ روؤ اور کم ہنسو! تم کیوں نہ روؤ۔ جب تم

نے ایسی ذلت اپنے لیے خریدی ہے؟ یہ ایک ایسی ذلت ہے جو کسی پانی سے دھوئی نہیں جا سکے گی۔ پیغمبرؐ کے فرزند اور جوانانِ بہشت کے سردار کو قتل کرنے سے بڑھ کر کب ذلت ہو سکتی ہے؟ تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جو تمہارے راستے کا چراغ اور تمہارے برے دنوں میں تمہارا مددگار تھا۔ بہتر ہے تم مر جاؤ! تم اپنا سر شرمندگی سے جھکا لو! تم نے یکایک اپنا ماضی برباد کر لیا اور آئندہ کے لیے کوئی چیز حاصل نہ کی۔ لازم ہے کہ آئندہ تم ذلت اور خواری کی زندگی بسر کرو کیونکہ تم نے اپنے لیے خدا کا غضب خرید لیا ہے۔ تم نے وہ کام کیا ہے کہ شاید آسمان زمین پر گر پڑے۔ اس میں شگاف ڈال دے اور پہاڑوں کو توڑ پھوڑ دے۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کس کا خون بہایا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورتیں اور لڑکیاں جنہیں تم بے پردہ کوچہ و بازار میں لے آئے ہو، کون ہیں؟ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے پیغمبر خداؐ کا جگر پارہ پارہ کر دیا ہے؟ تم نے ایسا برا اور احمقانہ کام کیا ہے کہ جس کی برائی نے ساری دنیا کو پُر کر دیا ہے۔ تم تعجب کرتے ہو کہ آسمان سے خون کے قطرے زمین پر ٹپک رہے ہیں لیکن جان لو کہ قیامت کے عذاب میں تمہاری زبوں حالی اس سے زیادہ ہو گی۔ اگر خدا نے تمہارے گناہ پر تمہیں اب نہیں پکڑا تو اطمینان سے مت بیٹھو۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ہر گناہ کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ تاہم وہ مظلوموں کا خون بہانے

کی سزا دیے بغیر کبھی نہیں چھوڑتا اور وہ ہر چیز کا حساب رکھتا ہے۔"[1]

یہ جملے جو اتنے فصیح الفاظ کے ساتھ ایک جلے ہوئے دل سے نکل رہے تھے اور خدا پر ایمان کے متلاطم سمندر سے قوت حاصل کر رہے تھے، انہوں نے سب کو دگرگوں کر دیا۔ سننے والوں نے اپنے ہاتھوں سے چہروں کو ڈھانپ رکھا تھا اور افسوس کر رہے تھے۔ اس دردناک اور عبرت آمیز موقع پر بنی جعفی کے ایک فرد نے جس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی، اس مضمون کا ایک شعر پڑھا:

"اس خاندان کے فرزند بہترین فرزند ہیں اور اس گھرانے کے فرزندوں کے دامن پر کبھی بھی شرم یا ذلت کا داغ نہیں لگا۔"

پھر قیدیوں کے اس قافلے کو ابن زیاد کے محل میں لایا گیا۔ وہ ایک ایسی بزم تھی جس میں جہاں تک ممکن تھا طاقت کے اظہار کے تمام ساز و سامان اکٹھے کر دیے گئے تھے اس لیے کہ ابن زیاد نے اپنے خیال کے مطابق مکمل فتح حاصل کر لی تھی۔ اس نے امام حسینؑ کو قتل کر دیا اور عورتوں اور لڑکیوں کو دست بستہ اپنے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ بس اب سارا معاملہ ختم ہو گیا اور اب

---

[1] کہا گیا ہے کہ امام علیؑ کی دونوں بیٹیوں کا نام ام کلثوم ہی تھا۔ ایک ام کلثوم کبریٰ اور دوسری ام کلثوم صغریٰ تھیں۔ لہٰذا یہ خطبہ ام کلثوم کبریٰ بی بی زینبؑ کا ہے اور ام کلثوم صغریٰ کا ایک مرثیہ بڑا مشہور ہے جو انہوں نے مدینہ واپسی کے وقت کہا تھا۔ (ناشر)

وہ غالب، اور رسول اکرمؐ مغلوب تھے!

اس نے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں رسوا کیا اور ظاہر کر دیا کہ تم لوگ جو کچھ کہتے تھے وہ جھوٹ تھا۔"

ایک ظالم کہ جس کا سرمایہ طاقت کے علاوہ کچھ نہ ہوا سکے لیے اس سے زیادہ پریشان کن اور دردناک چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس کی قوت کو ناچیز سمجھا جائے اور اس کا مذاق اڑایا جائے۔

اس وقت امام علیؑ کی بیٹی نے بولنا شروع کیا تو یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے اب تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ ان کا کوئی عزیز مارا گیا ہے نہ خود انہیں قیدی بنایا گیا ہے اور نہ ہی یہ شخص جسے وہ جواب دینے لگی ہیں، اپنے ایک اشارے سے انہیں اور ان کے ہمراہیوں کو ختم کر سکتا ہے۔

کربلا کی شیردل خاتون نے کہا:

"شکر کا سزاوار وہ خدا ہے جس نے ہمیں رسول اللہؐ کے ذریعے عزت بخشی۔ فاسق کے علاوہ کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور بدکار کے علاوہ کوئی رسوا نہیں ہوتا اور وہ ہم نہیں اور لوگ ہیں۔"

ابن زیاد جوان بی بی کی گردن خم کرنا چاہتا تھا۔ کچھ اور اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے چاہا کہ انہیں ایک ایسی شکست دے کہ جس کو وہ بی بی محسوس کریں۔ چنانچہ اس نے کہا: "تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہم نے خدا سے بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، میرا بھائی اور اس کے ساتھی اس راستے پر چلے جو خدا کو پسند تھا۔ انہوں

نے قابلِ فخر شہادت کا انتخاب کیا اور خدا سے یہ نعمت پائی۔ لیکن اے ابن زیاد!
تم نے جو کچھ کیا ہے اب اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ!

اس گفتگو سے بھی ابن زیاد اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا اور اس نے اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کیا۔

اس کے بعد ایک نادان کا آخری ہتھیار کیا ہے؟ توہین کرنا۔ ابن زیاد نے کہا: "تمہارے سرکش اور نافرمان بھائی کے قتل ہونے سے خدا نے میرے دل کو شفا بخشی ہے۔"

امام علیؑ کی بیٹی نے جواب میں کہا: "اے ابن زیاد! تو نے ہمارے بزرگ کو قتل کر دیا۔ ہمارے نوجوانوں کا خاتمہ کر دیا اور ہمارے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر تیرے دل کی شفا یہی ہے تو یونہی سہی۔"

ابن زیاد کہنے لگا: "زینبؑ سجع میں باتیں کرتی ہے، میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کا باپ بھی سجع میں باتیں کرتا تھا۔"

بنتِ علیؑ نے جواب دیا: "اے ابن زیاد! ہمیں سجع سے کیا کام اور میرے لیے سجع کہنے کا یہ کونسا موقع ہے؟"

شہادت حسینؑ پر یزید کی پشیمانی

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا

وائے ہو مجھ پر، کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا۔ (سورۂ فرقان۔ آیت ۲۸)

دمشق کے لوگوں میں سے کسی نے نہ تو رسول اکرمؐ کو دیکھا، نہ ان کے ارشادات سنے اور نہ ہی وہ اسلام کو اس شکل میں جانتے تھے جس میں وہ مدینہ میں رائج تھا۔ رسول اکرمؐ کے صحابہ میں سے ایک سو تیرہ افراد نے یا تو اس سرزمین کی فتح میں حصہ لیا تھا یا بتدریج وہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان اشخاص کے احوال زندگی پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی بہت کم مدت کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے اور انہوں نے ایک دو یا چند احادیث سے زیادہ روایت نہیں کیں۔ ان میں سے بیشتر عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان کی خلافت سے معاویہ کی

حکومت کے ابتدائی دور تک فوت ہو گئے۔ چنانچہ سانحہ کربلا کے وقت ان میں سے فقط گیارہ افراد زندہ تھے اور وہ شام میں رہ رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمریں ستر اور اسی سال کے درمیان تھیں اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے پر گوشہ نشینی کو ترجیح دے رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوان نسل یعنی جو لوگ یزید کی عمر کے تھے، وہ حقیقی اسلام سے بالکل بے بہرہ تھے اور شاید ان کے نزدیک اسلام بھی ان لوگوں کی حکومت کی طرح ایک حکومت تھی جو اس ٹولے سے پہلے اس سرزمین پر راج کرتے تھے معاویہ کے دربار کی شان و شوکت۔ بیت المال کا ضیاع، ظاہری نمود و نمائش کی جانب توجہ، مثلاً عالیشان محلوں کی تعمیر۔ ذاتی محافظوں اور خدم و حشم کی تشکیل۔ مخالفین کو جلاوطن۔ قید یا قتل کر ڈالنا، ان کے لیے عام سی چیزیں تھیں کیونکہ نصف صدی پہلے تک سابقہ حکومت میں بھی یہی نظام دیکھنے میں آتا تھا۔ پس یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مدینہ میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔

جن لوگوں نے عمر بن خطاب کی دمشق میں آمد دیکھی تھی ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی زندہ نہ تھا۔ اس لیے شام کے لوگوں کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ کون لوگ ہیں۔ ہم نے دمشق کے سلسلے میں جو داستان لکھی ہے اور کہا ہے کہ یہ تاریخی حقیقت سے زیادہ ایک لطیفے سے ملتی جلتی ہے، وہ چنداں بعید معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر مقتل نویسوں نے لکھا ہے کہ شام کے لوگوں نے اہلبیتؑ کے وہاں پہنچنے کے دن کو عید قرار دیا اور ان کے مردوں کے مارے جانے پر جشن منایا تو یہ بات حقیقت سے کچھ دور نہیں ہے۔

جب یہ قافلہ محل میں پہنچا تو یزید کو ایسے ہی لوگ گھیرے ہوئے تھے، جو اسلام کو بھی ایک ملوکانہ حکومت سمجھتے تھے اور اس کے احکام سے بے خبر تھے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ جو ماتمی اشعار یزید سے منسوب کیے گئے ہیں وہ واقعی اسی کے ہیں یا نہیں؟ لیکن سابق الذکر مؤلف ابن ابی طاہر نے یہ تین اشعار یزید کے کلام میں لکھے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یزید امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتا ہوا یہ کہہ رہا تھا:

کاش میرے بزرگ جو بدر میں پہنچے اور جنہوں نے وہاں قبیلہ خزرج کے تیروں سے نقصان اٹھایا، وہ اس مجلس میں موجود ہوتے اور خوشی مناتے ہوئے کہتے: اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں، تم نے علیؑ کی اولاد کے ساتھ بدر کے دن کا بدلہ چکا دیا ہے اور اپنا انتقام ان سے لے لیا ہے۔

ان اشعار میں پیغمبرؐ، دین اور قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جو چیز ہم ان میں دیکھتے ہیں وہ جاہلیت کے مقتولوں کی یاد ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے اس خون کو اہلبیتؑ کے خون سے دھویا ہے۔

اگر وہ بزم یہیں ختم ہو جاتی تو جیت یزید کی ہوتی اور جو کچھ اس کے حکم سے انجام پایا وہ چنداں برا معلوم نہ ہوتا۔ لیکن بی بی زینبؑ نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ معاملہ اس شکل میں ختم ہو جائے۔ جس چیز کو یزید خوشی سمجھ رہا تھا اس کو انہوں نے اس کے حلق میں زہر سے بھی زیادہ تلخ بنا دیا۔ انہوں نے حاضرین پر واضح کر دیا کہ یہ خواتین جو تمہارے سامنے کھڑی ہیں، یہ اس پیغمبرؐ کی بیٹیاں ہیں جس کے نام پر یزید شام کے لوگوں

پر حکومت کر رہا ہے۔ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھا دیا کہ اسلام قانون حکومت ہونے سے پہلے ایک دین ہے۔ پس حاکم سے لے کر ایک عام فرد تک ہر شخص جو کچھ کہتا اور کرتا ہے، اس کے لیے وہ خدائے تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ اسلام طاقت پر نہیں بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے۔ پھر فرمایا:

"جن لوگوں نے برُے کام کیے ان کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کا ٹھٹھا اڑایا۔ اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ اب تو نے زمین اور آسمان کو ہم پر تنگ کر دیا اور ہمیں قیدیوں کی طرح ایک سے دوسرے شہر لیجایا گیا ہے، اس سے ہم ذلیل ہو گئے اور تو قابل عزت ہو گیا؟ کیا تو خیال کرتا ہے کہ یہ کام کر کے تیرا رتبہ بلند ہو گیا ہے کہ تو اپنے آپ پر ناز کرتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے؟ چونکہ تو دیکھتا ہے کہ تیری قوت کے اسباب مہیا ہو گئے ہیں اور تیری بادشاہت کا کاروبار منظم ہے اس لیے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ مہلت جو تجھے دی گئی ہے اس لیے ہے تاکہ تو اپنی فطرت کو اس کی اصلی شکل میں ظاہر کرے۔ کیا تو خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گیا ہے کہ:

"کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے جو مہلت انہیں دی ہے وہ ان کے لیے اچھی ہے۔ ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ بھاری کر لیں۔ پھر انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا

جائے گا جو سراسر ذلت اور رسوائی ہے۔"

اے آزاد کیے ہوئے کے بیٹے! کیا یہ انصاف ہے کہ تیری عورتیں، لڑکیاں اور کنیزیں تو عزت کے ساتھ پردے کے پیچھے بیٹھیں اور تو پیغمبرؐ کی بیٹیوں کو قیدی بنائے، ان کی حرمت کا خیال نہ کرے، ان کی آواز گلے میں دبا دے اور غیرمرد انہیں اونٹوں پر بٹھا کر ایک سے دوسرے شہر گھماتے پھریں۔ نہ کوئی انہیں پناہ دے، نہ ان کی حالت کا احساس کرے، نہ ان کی دلجوئی کرے اور لوگ ہر طرف سے انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہو جائیں لیکن ایک ایسے شخص سے جس کا سینہ ہمارے خلاف بغض سے بھرا ہوا ہو اس سے اس کے علاوہ کیا توقع ہو سکتی ہے؟ تو کہتا ہے کہ کاش میرے اجداد جو جنگ بدر میں مارے گئے یہاں موجود ہوتے اور یہ کہتے ہوئے تو پیغمبرؐ کے بیٹے کے دانتوں پر چھڑی مارتا ہے۔ تجھے ہرگز یہ خیال نہیں آتا کہ تو نے گناہ کیا ہے اور ایک بہت ہی ناروا کام کا مرتکب ہوا ہے۔ تو ایسا کیوں نہ کرے؟ تو نے رسول اکرمؐ کی اولاد اور عبدالمطلب کے گھرانے والوں کا خون بہا کر جو کہ زمین کے ستارے تھے، دو خاندانوں

---

[1] جب رسول اکرمؐ نے مکہ فتح کیا تو قریش کے سردار جو اپنے سابقہ اعمال پر پشیمان تھے، وہ ڈر رہے تھے کہ آنحضرتؐ انہیں سزا دیں گے لیکن آپ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا: "جاؤ تم آزاد کر دیے گئے ہو۔"

کے درمیان دشمنی کی تجدید کر دی ہے۔ خوش مت ہو کیونکہ جلد ہی تو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا۔ وہ وقت ہو گا جب تو آرزو کرے گا کہ کاش تو اندھا ہوتا اور یہ دن نہ دیکھتا۔ کاش تو یہ نہ کہتا کہ اگر میرے اجداد اس بزم میں موجود ہوتے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے۔

اے خدا! تو خود ہمارا حق حاصل کر اور جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ان سے ہمارا انتقام لے۔ بخدا کہ تو نے اپنا پیٹ چاک کیا ہے اور اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔ جس دن رسول اکرم ان کے اہلبیت اور ان کے جگر کے ٹکڑے خدا کی رحمت کے سائے میں آرام کر رہے ہوں گے۔ اس دن تو بے حد ذلیل ہو کر اس کے سامنے کھڑا ہو گا۔ وہ دن ہو گا جس دن خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا اور ان مظلوموں کو اکٹھا کرے گا جو اپنے خون میں لتھڑے ہوئے اِدھر اُدھر محوِ خواب ہیں۔

وہ خود فرماتا ہے:

"یہ خیال مت کرو کہ جو خدا کی راہ میں مارے گئے مردہ ہیں نہیں ایسا نہیں ہے، وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں"

لیکن جس دن محمد رسول اللہ مدعی ہوں گے، خدا منصف ہو گا اور تیرے ہاتھ پاؤں اس مقدمے میں گواہ ہوں گے، اس دن تیرے باپ معاویہ کو جس نے تجھے ناحق مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا، یہ پتا چل جائے گا کہ تم دونوں میں

سے کون زیادہ بدبخت اور بے سہارا ہے!

اے خدا کے دشمن یزید! خدا کی قسم تو میری نظر میں اتنی قیمت نہیں رکھتا کہ میں تجھے سرزنش کروں یا تیری تحقیر کروں لیکن میں کیا کروں کہ میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں اور آہ سینے میں شعلہ زن ہے۔ جب حسینؑ قتل ہو چکے ہیں اور شیطان کے لشکری ہمیں کوفہ سے شام میں نادانوں کے سامنے لے آئے ہیں تاکہ خاندان رسولؐ کی حرمت کو پامال کرنے کا صلہ مسلمانوں کے بیت المال سے لیں جو محنت کشوں اور کسانوں کی کمائی ہے۔ جب ان جلادوں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوتے ہیں۔ ان کے منہ ہمارے گوشت کے ٹکڑوں سے پُر ہیں اور جب وحشی بھیڑیے کربلا کے شہیدوں کے پاکیزہ بدنوں کے آس پاس اچھلتے کودتے پھرتے ہیں تو اب تجھے ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اگر تو اس خیال میں ہے کہ ہمیں قتل کر کے اور قیدی بنا کر تو نے کوئی نفع حاصل کر لیا ہے تو تجھے جلد ہی پتا چل جائے گا کہ جسے تو نفع سمجھتا تھا وہ نقصان کے علاوہ کچھ نہیں۔ پھر کل قیامت کے دن جو کچھ تو نے کیا ہے اس کے علاوہ تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس وقت تو ابن زیاد کو اپنی مدد کے لیے بلائے گا اور وہ تجھ سے امداد کا طالب ہو گا۔ وہاں تو اور تیرے ساتھی خدا کی میزانِ عدل کے پاس اکٹھے ہوں گے۔ اس دن تجھے معلوم ہو گا کہ تیرے باپ معاویہ نے تیرے لیے سفر کا جو

بہترین توشہ تیار کیا، وہ یہ تھا کہ تو نے رسول اکرمؐ کے فرزندوں کو قتل کیا۔ خدا کی قسم! میں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور اس کے علاوہ کسی کے پاس شکایت نہیں کرتی۔ تو بھی جو کرنا چاہے کرے اور جو بھی چال تو چاہے آزمالے، تو ہمارے لیے جو عداوت دل میں رکھتا ہے ظاہر کردے۔

خدا کی قسم! یہ رسوائی کا دھبہ جو تیرے دامن پہ لگ گیا ہے ہرگز دور نہیں ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے جوانانِ بہشت کے سردار کا معاملہ خوش بختی کے ساتھ انجام کو پہنچایا اور بہشت ان کے لیے واجب کردیا۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ ان کا رتبہ بلند کرے اور ان پر اپنی رحمت میں اضافہ کرے کیونکہ وہ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔

یہ خطبہ جس میں ایک جلتے ہوئے جگر اور تقویٰ سے سرشار دل کی قوت نمایاں تھی، اس کا ردعمل جو ہونا تھا وہ ظاہر ہے کہ ایک سخت دل رکھنے والا شخص بھی جب ایمان اور تقویٰ کا سامنا کرتا ہے تو وہ اپنی کمزوری اور اپنے حریف کی طاقت کو دیکھ لیتا ہے اور اس بارے میں چند لمحوں تک کوئی فیصلہ نہیں کرپاتا۔ چنانچہ ان گھڑیوں میں سارے محل پہ موت کا سناٹا چھایا رہا تھا۔ جب یزید نے حاضرین کے چہروں پہ ناگواری کے آثار دیکھے تو کہنے لگا: "خدا ابن مرجانہ کو ہلاک کرے کہ میں حسینؑ کو قتل کرنے پر راضی نہیں تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ان قیدیوں کو اس حالت میں رکھنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ ان کے لیے ایک بہتر جگہ

فراہم کی جائے اور اگر قریش کی عورتیں ان کے پاس جانا چاہیں تو کوئی ممانعت نہیں ہے۔

ان ایام میں وہ امام علیؑ ابن الحسینؑ کو دوپہر اور شام اپنے دسترخوان پر دعوت دیتا اور ان سے مل کر کھانا کھاتا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس کے دل میں کچھ پشیمانی پیدا ہو گئی تھی؟ جب ہم ان صحرانشین لوگوں کی دورخی فطرت کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس احتمال کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اس سے پیشتر کہ یہ احتمال اپنے لیے جگہ نکالے ایک اور یقین اسے رد کر دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یزید ایسا نہ کرتا تو ممکن تھا کہ کوفہ جیسی شورش دمشق میں بھی پیدا ہو جاتی۔ گو اسے فوری طور پر دبایا بھی جا سکتا تھا۔ بہرحال اس دن اور اس بزم میں بی بی زینبؑ کے اعلان حق سے شام کے لوگوں میں سے ایک گروہ کو پتا چل گیا کہ اسلام وہ نہیں ہے۔ جو وہ آج تک دیکھتے رہے اور مسلمان حاکم وہ شخص نہیں ہے جو ان پر حکومت کر رہا ہے۔

قاتلانِ حسینؑ کا انجام

یَوْمُ الْمَظْلُوْمِ عَلَی الظَّالِمِ اَشَدُّ مِنْ یَوْمِ الظَّالِمِ عَلَی الْمَظْلُوْمِ

جس دن مظلوم اپنا حق حاصل کرے گا وہ زیادہ سخت ہے اس دن سے جس دن ظالم نے مظلوم پر ظلم ڈھایا۔

(حضرتِ علیؑ علیہ السلام)

وقت مجرم ہے لیکن جرائم پیشہ نہیں ہے اور تاریخ کی مانند ہر قسم کی یادوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ تاہم بہت کم ایسے جرائم ہیں جنہیں وہ بدلہ لیے بغیر چھوڑتا ہے۔ اگر تاریخ کے جرائم کا حساب نہ بھی رکھا گیا ہو تو بھی قانون مکافات یعنی ہر جرم کی فطری سزا کا عمل اس کا حساب رکھتا ہے اور وہ حساب نہایت دقیق ہوتا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے: "کافر یہ نہ سمجھیں کہ اگر ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تو اس میں ان کا فائدہ ہے۔ ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ

جو کرنا چاہیں کر لیں اور آخر کار انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔"

ایسے ہی تھے وہ لوگ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور ان سے حمایت کا وعدہ کیا اور ان کے نمائندے کا بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا اور اس کی بیعت بھی کی لیکن جب عمل کا وقت آیا تو اس نمائندے کا ساتھ چھوڑ کر ایک ایک کر کے چل کھڑے ہوتے اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے۔ پھر امامؑ کا وہ نمائندہ تن تنہا رہ گیا اور ابن زیاد نے اسے مار ڈالا۔ بعد میں امام حسینؑ وہاں آئے تو وہ ان کے دشمن سے مل گئے اور اسے خوش کرنے کے لیے امامؑ کو قتل کر دیا۔ اسی طرح ان میں سے کچھ لوگ ایک بلند مقام پر پہنچ کر ان کی مظلومیت پر روتے رہے اور خدا سے دعا مانگتے رہے کہ وہ ان کی مدد کرے! جب وہ سارا معاملہ ختم ہو گیا تو ان کے دل کو سکون حاصل ہو گیا اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگے کہ:

"رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت"

دمشق کی حکومت اور کوفہ میں اس کے گماشتے نے بھی یہی سمجھا کہ وہ فتحیاب ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جب حسینؑ نہیں رہے تو کسی دوسرے کو ان کی مخالفت کی کیا مجال ہے؟ تاہم ان دونوں گروہوں نے ایک چیز کا خیال نہیں کیا تھا اور وہ تھی "جیسی کرنی ویسی بھرنی" یعنی فطرت کے قانون میں کوئی عمل اپنے ردعمل کے بغیر نہیں رہتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ردعمل فوراً ظاہر ہو جائے یا اس میں دسیوں سال لگ جائیں، لیکن بالآخر وہ ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے کیونکہ یہ تخلیق کا دستور ہے اور یہ خدا کا قانون ہے جو کبھی نہیں بدلتا، پس یہ لازم ہے کہ ظالم کو اس کے کیے کی سزا ملے اور یہ لازم ہے کہ مظلوم کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کربلا کے ردعمل کا پہلا مرحلہ یزیدیوں کی پشیمانی تھی۔ وہ پشیمانی کہ جو فوج کے افسروں اور سپاہیوں نے محسوس کی، وہ پشیمانی جو کوفہ کے حکومتی مرکز اور سلطنتِ دمشق کو لاحق ہوئی تھی۔

زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ ابن زیاد نے عمر و سعد کو طلب کیا اور کہا: "وہ تحریر کیا ہوئی جو میں نے حسینؑ کو قتل کرنے کے بارے میں تمہیں دی تھی؟ وہ مجھے دے دو۔"

عمرو نے جواب دیا: "میں وہ تحریر کب تک اپنے پاس رکھتا" وہ میں نے گم کردی ہے۔"

ابن زیاد نے کہا: "کیا تم اسے قریش کی بوڑھی عورتوں کے سامنے اپنے لیے بہانہ بنانا چاہتے ہو؟"

ادھر یزید نے کہا: "مجھے یہ منظور تھا کہ میرا ایک بیٹا مارا جاتا لیکن حسینؑ قتل نہ ہوتے۔ خدا ابن مرجانہ کو ہلاک کرے اس نے ایسا کام کیوں کیا؟"

بلاشبہ یزید یہ جھوٹ کہہ رہا تھا ـــــ لیکن وہ ڈرتا تھا ـــــ وہ ردعمل سے ڈرتا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے قول و فعل کے خلاف ردعمل تو پہلے ہی دن اپنے قصر شاہی میں دیکھ لیا تھا۔ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ جب مدینہ کے نمائندے اس کے ہاں سے لوٹے تو انہوں نے لوگوں کو بتایا: یزید کے پاس دولت اور حکومت تو ہے لیکن اس کی ذات میں مسلمان ہونے کی کوئی نشانی نہیں ہے۔ اس پر پورے مدینہ میں اضطراب پھیل گیا اور لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کردی۔ انہوں نے پہلے امویوں کو شہر سے نکال باہر کیا اور پھر انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا لیکن آخرکار

حکومت شام نے بڑی مستعدی سے کارروائی کی اور مدینہ کا محاصرہ کرکے اسے فتح کر لیا۔ تب رسول اکرمؐ کے شہر میں قتل عام کیا گیا اور مدینہ کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ دوسری جانب مکہ میں عبداللہ بن زبیر اٹھ کھڑا ہوا۔ جس نے اپنی طاقت کافی بڑھا لی تھی اور یزید کو اپنی عمر کے آخری سال میں اس پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ۶۴ھ میں یزید مر گیا اور اس کے ساتھ ہی کوفہ انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ وہاں کے سرکردہ شیعہ افراد نے پہلے تو یہ سوچا کہ اپنے گناہوں کو دھونے کے لیے بنی اسرائیل کی طرح تلواریں اٹھا لیں اور ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ لیکن پھر انہوں نے ایک زیادہ عاقلانہ فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ انہیں ایک دوسرے کو قتل کرکے نہیں بلکہ اہل بیتؑ کے دشمنوں کو قتل کرکے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ازسرنو قتل گاہ بلکہ بہت سی قتل گاہیں بن گئیں لیکن اس بار قتل ہونے والے خدا کے برگزیدہ بندے اور پاک نہاد لوگ نہ تھے بلکہ وہ جلاد تھے جن کے ہاتھ آزاد بندوں کے خون سے کہنیوں تک رنگے ہوئے تھے۔ آج کے زمانے میں جب ہم مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے قتل عام کی داستان پڑھتے ہیں تو اگر ہم حقوق کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر نظر ڈالیں تو ممکن ہے کہ ایسا انتقام ہمیں کسی حد تک سخت معلوم ہو اور ہم کہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ یعنی ایک کا سر بھیڑ کی طرح قلم کر دیا گیا اور کسی دوسرے کا پیٹ چاک کر ڈالا گیا۔ ایک اور شخص کو جس نے امام حسینؑ کے ایک فرزند پر تیر چلایا اور اس نے اپنے ہاتھ کو سپر بنایا تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر زخم آ گئے تھے۔ اس تیر انداز کو بھی ویسی ہی سزا دی۔ ایک اور کو ابلتے ہوئے تیل کی دیگ میں ڈال دیا۔ جبکہ ایک اور شخص کے ہاتھ اور پاؤں زمین میں

گاڑ کر اس پر گھوڑے دوڑا دیے۔ جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ صرف ایک مقام پر ۲۴۸ اشخاص کو اسی طرح کی سزائیں دی گئیں جو امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے قتل میں شریک ہوئے تھے۔

جب ہم یہ واقعات پڑھتے ہیں تو ہمیں ان میں ایک قسم کی بے رحمی نظر آتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگلے لوگوں کے کردار کے بارے میں تیرہ سو سال بعد اس دنیا میں آنے والوں کا فیصلہ درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب انقلاب کا جذبہ جوش مارتا ہے تو معیار بدل جاتے ہیں۔ گویا انقلاب عموماً غصے اور بے رحمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ اگر انقلاب میں غصہ شامل نہ ہو تو وہ انقلاب نہیں ہوتا۔

شمر، ابن زیاد، عمرو بن سعد، اس کا بیٹا حفص، خولی، سنان اور کوفہ کے یزیدی لشکر کے وسیوں سرداروں نے یہ سزائیں بھگتیں لیکن تاریخ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ یعنی یہ پہلا انقلاب اور پہلا انتقام نہیں تھا، بلکہ ایک کے بعد ایک اور انقلاب آتا گیا۔ پھر مختار ثقفی، مصعب ابن زبیر کے ہاتھوں اور مصعب، عبدالملک بن مروان کے حکم سے قتل ہوا اور ان میں سے ہر ایک سالار کے ساتھ لوگوں کا ایک ایک گروہ بلکہ کئی ایک گروہ قتل ہوئے۔ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ ابن زیاد کا سر مختار ثقفی کے سامنے لایا گیا، مختار کا سر مصعب ابن زبیر کے سامنے لایا گیا اور مصعب کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے رکھا گیا اور یہ تمام واقعات دس سال سے کم مدت میں رونما ہوئے۔ ان دس سالوں میں جیسا کہ فرزند رسولؐ نے لوگوں کو خبردار کیا تھا، کوفہ نے سکھ کا سانس نہ لیا۔ ہر سال اور ہر مہینے کسی نہ کسی جانب سے ایک نیا فتنہ

اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ دوسری طرف خوارج نے سارے مشرقی اور جنوب مشرقی عراق کے لیے خطرہ کھڑا کیا ہوا تھا اور ان کی تاخت و تاز کا دائرہ خوزستان تک وسیع ہو گیا تھا۔ کوفہ اور بصرہ بلکہ سارے عراق میں امن مفقود ہو چکا تھا، چور، ڈاکو اور موقع پرست لوگ یکے بعد دیگرے اور ایک گروہ کے بعد دوسرے گروہ کی شکل میں ہر طرف سے امنڈ پڑے۔ نہ حاکم رعیت سے خوش تھا اور نہ ہی رعیت چین کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ امام حسینؑ کا ایک اور ارشاد تھا جس کے مطابق وہ ظالم لوگ عذاب کی گرفت میں تھے۔
اس وقت تک امام حسینؑ کی شہادت کو چودہ سال گزر گئے تھے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مدت میں کوفہ نے چودہ مہینے بلکہ چودہ ہفتے بھی سکھ کا سانس نہ لیا۔ آخر کار امام حسینؑ کے آخری فرمان نے عملی شکل اختیار کی اور پھر وہ آخری منظر بھی سامنے آ گیا۔ یہ واقعہ ۷۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔
ایک دن جب شہر کوفہ کے کچھ سربرآوردہ اشخاص مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص اپنا سر اور چہرہ ڈھانپے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے تلوار اپنی کمر سے باندھ رکھی تھی اور ایک کمان کندھے پر لٹکا رکھی تھی وہ لوگوں کی جانب کوئی توجہ دیے بغیر صفیں چیرتا ہوا آگے بڑھا اور منبر تک جا پہنچا۔ پھر وہ منبر پر چڑھا اور سب سے اوپر کے زینے پر بیٹھ گیا اور خاموش رہا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ایک گھنٹے تک چپ بیٹھا رہا۔ شاید ہمیشہ کی طرح انہوں نے وقت کے بارے میں مبالغہ کیا ہے۔ تاہم اس کی خاموشی کی مدت خواہ کتنی بھی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے۔ ایک نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" دوسرے نے جواب دیا: "کیا تمہیں نہیں معلوم؟ یہ نیا حاکم ہے۔" پہلا بولا: "خدا بنی امیہ کا منہ سیاہ کرے جنہوں نے

ایسے آدمی کو عراق پر حکومت کرنے کے لیے بھیجا ہے، کیوں نہ میں اس پر پتھراؤ کروں؟"

دوسرے نے کہا: "نہ ــــ نہ بھائی! تجھے اس سے کیا کام؟ تھوڑی دیر صبر کرو، دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے!"

جب ہر طرف خاموشی چھا گئی اور سب لوگوں کے سینوں میں سانس رک گئی تو اس شخص نے اپنے چہرے پر سے پردہ ہٹایا اور کہا:

"مجھے لوگ اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ میں کسی مشکل سے نہیں گھبراتا۔ جب عمل کا وقت آئے گا تو تم لوگ جان لوگے کہ میں کون ہوں۔

اے کوفہ والو! خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ شر کا سامنا کس طرح کروں۔ میں آنکھوں کو پتھرایا ہوا اور گردنوں کو کھنچا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں ایسے سروں کو دیکھتا ہوں جو پکے ہوئے پھل کی طرح شاخ پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور انہیں فوراً کاٹ لینا چاہیے۔ میں ایسے خون دیکھتا ہوں جنہوں نے پگڑی سے لے کر داڑھی تک کو رنگین کر دیا ہے اور ان کی سرخی دھوپ میں دمک رہی ہے۔

اے عراق کے لوگو! اے تفرقہ اور نفاق کی گھٹی والے فاسد اخلاق والے گروہ! میں بید نہیں ہوں کہ ان ہواؤں سے کانپ جاؤں گا۔ میں تربوز نہیں ہوں کہ تم مجھ سے کھیلو اور مجھے اپنی انگلیوں کے درمیان دباؤ! میں اپنے ہوش، ذکاوت، فہم اور فراست کا امتحان دے چکا ہوں

اور اس میں بہت اچھی طرح کامیاب ہوا ہوں۔
امیرالمومنین نے اپنا ترکش الٹ دیا اور تیروں کو ایک ایک کر کے اپنے دانتوں تلے دبا کر آزمایا۔ میں ان سب میں سے زیادہ سخت اور مضبوط تھا اور اس لیے انہوں نے مجھے تمہارے لیے چن لیا۔ کیونکہ سالہا سال سے تم سب نے مل کر فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ گمراہی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے۔ خدا کی قسم! میں درخت کی چھال کی طرح تمہارے جسموں پر سے کھال اتار لوں گا اور چقماق کے پتھر کی طرح تمہارے سروں پر برسوں گا اور خار بن کر تمہاری تلواریں توڑ ڈالوں گا اور تمہیں ایسے اجنبی اونٹ کی طرح پیٹوں گا، جسے ہر طرف سے مار بھگایا جاتا ہے۔ تم اس شہر کے لوگوں کی طرح ہو جو امن اور چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں روزی فراغت سے ملتی تھی لیکن انہوں نے ناشکری کی اور خدا نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ [1]
جب لوگوں نے یہ ذلّت آمیز باتیں سنیں اور حقارت پر مبنی سلوک دیکھا۔ جب انہیں پتا چل گیا کہ ایک ایسا شخص ان پر مسلّط کر دیا گیا ہے جو ان سے اسی زبان میں بات کرتا ہے جو وہ سمجھتے ہیں، جب انہوں نے گائے کے خریدار اسرائیلیوں کی طرح وہ تمام نشانیاں اس میں دیکھیں جو وہ جانتے

---

[1] سورۂ نحل۔ آیت ۱۱۲

تھے تو سبھی نے زبانِ حال سے کہا: "الان جئت بالحق"۔

مرحبا! تم نے کیا خوب کہا ہے۔ ہم تمہاری ہی جستجو میں تھے
اور تمہیں جیسے غیر معمولی شخص کا انتظار کر رہے تھے۔ ع

"کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ توست"

جو شخص اس پر پتھراؤ کرنا چاہتا تھا" اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور سنگریزے اس کی مٹھی سے گرنے شروع ہو گئے۔

اس طرح حجاج بن یوسف کوفہ کا حاکم بن گیا۔ ایک دفعہ پھر عقائد کی جانچ پڑتال کا محکمہ وجود میں آگیا اور جاسوسی، الزام تراشی، گرفتاری، قید، شکنجے، قتل اور بالآخر گلا گھونٹ ڈالنے والی حکومت کا دور دورہ ہو گیا۔

یہ ہے ان گھٹیا لوگوں کی سزا جو خدا کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔
خدا سے روگردانی کرتے ہیں اور شیطان کو اپنا قبلہ بنا لیتے ہیں۔
ایک دفعہ پھر شام نے کوفہ کا منہ چڑا دیا!

ہماری مطبوعات

اسلام دینِ فطرت
اسلام دینِ معاشرت
اسلام دینِ معرفت
اسلام دینِ حکمت
فلسفۂ معجزہ
فلسفۂ شہادت
فلسفۂ ولایت
[illegible]
فلسفۂ احکام
تاریخِ عاشوراء
گفتارِ عاشوراء
بنائے کربلا
مرگِ گُل رنگ
مکتبِ اسلام
مکتبِ رسولؐ
مکتبِ تشیّع
آخری فتح
انتظارِ امامؑ
توضیح المسائل اردو
توضیح المسائل فارسی
شریعت کے احکام

کتابُ الدعاء والزیارات
اعمالِ حج
حکایاتُ القرآن
حیاتِ انسان کے چھ مرحلے
مقالاتِ مطہری
بُت شکن
مردِ انقلاب
ہار جیت
بہلول عاقل
فُزتُ بِربِّ الکعبۃِ
سخن
ابوطالب ۔ مظلومِ تاریخ
تفسیر سورۃ حمد
شرح قرآن
سِیر و سُلوک
یَسَّرنَا القرآن
غدیر کی برکتیں
تعلیماتِ اسلامی
حدیثِ کساء
دُعائے کمیلؒ

نیز: بچّوں کے لیے دل چسپ مذہبی کہانیاں بھی دستیاب ہیں!

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان